کون کسی کا

کون کسی کا؟

ٹیگور

ہیں

پنجاب پبلشرز دہلی

پرنٹرز

قیمت فی جلد ——— ایک روپیہ بارہ آنے

بار سوم ——— ۱۰۰۰ ——— ۱۹۵۵ء

گذارش

ہندوستان کے پاس پہلے ہی کیا تھا کہ ادبار کے شیطانوں نے اسے تاکا اور
مصیبت کی ایسی خوفناک ہوائیں بے زنجیر کر دیں جنہوں نے اس باغ کے بچے کھچے پتے بھی
نوچ نوچ کر بے دردی کے آتشیں طوفانوں کے حوالے کر دئے۔ ہندوستانی ادب کو ابھی
ضرورت تھی کہ اس کی نسوں میں صحتور خون دوڑانے والے زندہ رہتے اور ہندوستان
کے باشندوں کو ضرورت تھی کہ ان کے کانوں میں حیات و جوانی کے منتر پھونکنے والے اس
دنیا میں رہتے۔ لیکن ہندوستانی ادب اور ہندوستانی باشندوں کی بدنصیبی انہیں کسی
کروٹ چین نہیں لینے دیتی۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحؒ کے زندگی بخش نعروں نے نیند کے ماتوں
کو ابھی آنکھیں ملنے پر مجبور ہی کیا تھا اور ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اٹھ بیٹھیں یا پھر
سو جائیں کہ اس جگانے والے نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔ اسی طرح ڈاکٹر سر رابندر ناتھ
ٹیگور کی مدھر تانیں بنگال کی حدود سے نکل کر ابھی نئی نئی اردو داں حضرات کی سماعت سے ٹکرائی
تھیں۔ اور اردو والے اسے مستانی شراب کی نشہ ریزیوں سے نئے نئے واقف ہو رہے تھے،
کہ قضا و قدر کی ایک بے دردانہ کروٹ نے اس میخانے کا شیشہ چور کر دیا۔ ساقی کی بغل سے صراحی
گر گئی اور ساقی چکرا کر گرا تو موت کی اتھاہ گہرائیوں میں روپوش ہو گیا۔

پہنچ چکے ہیں اور کچھ پہنچ جائیں گے ۔ زیر
ا نہیں کیے گئے ۔ ان اوراق سے ڈاکٹر صاحب
یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ یہ سطریں ڈاکٹر صاحب
۔ وہیں منتقل کرنا محض اس جذبۂ عقیدت کا اظہار
و اس معزز و ممتاز ہستی کے ساتھ ہے ۔

یہ ناول ہے، ایک حسین، دلکش، رنگین اور پاکیزہ ناول، ایک سحرکار شاعر کی شاعرانہ سحرکاریوں کا پاکیزہ نمونہ اور ہندوستانی معاشرت کی وہ منہ بولتی تصویر، جسے ایک دردمند دل کے مؤلف نے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے ۔

ترجمہ کرتے وقت پوری کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی حقیقی روح کو اردو کے الفاظ میں پوری طرح سے محفوظ کر لیا جائے ۔ مترجم کی کوششیں ابتدا سے انتہا تک مخلصانہ رہی ہیں ۔ اور امید کی جاتی ہے کہ یہ اکارت نہ گئی ہوں گی ۔

احسان

گرم آب و ہوا، اس پر دولت کی فراوانی، نہ کھانے کی ضرورت نہ کمانے کا اندیشہ ایسے میں بڑے بڑوں کے ہاتھ پیر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور وہ اگاڑی پچھاڑی دیکھے بغیر سر کے بل عیش و عشرت میں کود پڑتے ہیں۔ لیکن بھوپتی بابو کو قدرت نے دقت طلب اور محنتی بنا کر اس دنیا میں بھیجا تھا، اس لئے گرم آب و ہوا نے اس پر کچھ ایسا اثر نہیں کیا۔ دولت کا تی تھی کام کاج کی ضرورت نہ تھی، تاہم طبیعت محنت کرنے پر راغب تھی، اس لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ ضرور چاہیے تھا۔

بھوپتی بابو کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ انگریزی ادب سے نظری لگاؤ تھا۔ اس لئے گھر بیٹھے کچھ نہ کچھ لکھتے رہا کرتے تھے۔ اخبار و رسائل میں مضمون شائع کروانے کی یوں سمجھ لیجئے کہ ہمت ہی نہ تھی، یا اپنے آپ میں قابلیت نہیں سمجھتے تھے، اور یہ نہیں تو یہ تو بہر طور تھا کہ ان کے مضامین ایڈیٹر لوگ شائع نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں لیڈر بننے اور تقریریں کرنے کا بھی شوق تھا۔ ضرورت ہو یا نہ ہو، بھوپتی بابو کا مجمع کو چیر کر اسٹیج پر پہنچ جانا اور وہاں آتشیں تقریروں کا سلسلہ شروع کر دینا انتہائی ضروری تھا۔ اس

کے علاوہ وہ کبھی کبھار انگریزی اخباروں میں خط وغیرہ بھی شائع کرا دیا کرتے تھے۔

دنیا کی بھیڑ چال کچھ عجیب ہوتی ہے۔ جس کی گرہ میں چار پیسے ہوں۔ اس کا دیونا بن جانا کچھ ایسا مشکل نہیں۔ بھوپتی بھی پوترڑوں کے رئیس تھے۔ اس لئے لوگ ان کی خوشامد کرنے میں اپنی عزت سمجھتے تھے۔ لیکن بھوپتی سمجھتے تھے کہ یہ لوگ حقیقتاً اُن کی ادبیت اور اُن کی متعرانہ قابلیتوں کی داد دے رہے ہیں۔ اس لئے خوش ہو جاتے۔

بھوپتی بابو کے ایک سالے صاحب تھے۔ اماپتی نام اور وکالت پیشہ تھا۔ لیکن قدرت نے ان کی طبیعت میں رنگینی کی آمیزش کچھ اعتدال سے بڑھ کر کی تھی۔ اب یہ قاعدے کی بات ہے کہ رنگین طبیعت آدمی کام کاج سے جی چُراتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ رنگینی ہی کیا جو محنت کو بھی قبول کر سکے۔ اس لئے انہیں اپنے اس پیشے سے سخت نفرت تھی۔ اور وہ اپنے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ گویا ٹھیس دئے جانے کے بہانے سوچ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے، کہ کچھ ایسا انتظام ہو جائے کہ معقول آمدنی بھی بندہ بست ہو جائے اور کام کاج کے جوئے سے بھی گلو خلاصی ہو۔

لیکن انہیں زیادہ تلاش کرنے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی۔ ذرا سی سوچ بچار نے انہیں بتا دیا کہ سونے کی چڑیا تو اُن کی بغل میں ہی ہے۔ جھٹ چھڑی ہاتھ میں لے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے بھوپتی بابو کے پاس آ گئے اور چھوٹتے ہی بولے:۔

"مترا نے کہا بھوپتی بابو تم تو قیامت ہو، یہ لیاقت، یہ دقت نظری، آہاہا۔ بھئی تمہارا وہ خط اخبار میں پڑھا، مزا آ گیا۔ میں کہتا ہوں تمہارے پاس بھگوان کا دیا سب کچھ ہے۔ پھر تم کیوں خاموش بیٹھے ہو، انگریزی کا ایک آدھ اخبار نکال ڈالو۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ قوم کی خدمت بھی ہو جائے گی اور منافع گھاتے میں۔"

اماپتی بابو کے اس چلتے فقرے نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ اور بھوپتی بابو بے چینی سے کرسی پر ادھر ادھر پہلو بدلنے لگے۔ پھر چند ے توقف کے بعد انہیں کھجلا کر بولے:۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ یہ خط وغیرہ چھاپ دینے سے مطلب نہیں نکلتا۔ اچھا تو اخبار پر کیا خرچ آئے گا؟"

اماپتی بابو کو اگر گنگا جلی اٹھوائی جاتی اور ان سے قسمیہ پوچھا جاتا کہ انہیں کتنے اخبارات کا تجربہ ہے، تو وہ بغلیں جھانکنے کے سوا اور کچھ بھی نہ کر سکتے۔ لیکن اب سوال ہی دوسرا تھا۔ انہوں نے جھٹ ردی کاغذ اٹھایا اور تخمینہ لگا کر پاس کر دیا۔ بھوپتی بابو مسکرائے اور اخبار نکالنے کی بات پکی ہو گئی۔

جوانی کے ہر کام میں جوش ہوتا ہے۔ اور اگر اس جوش کے ساتھ کسی چیز کا جنون کی حد کو چھوتا ہوا شوق بھی مل جائے تو جو ہو تھوڑا۔ اماپتی بابو کو لکھنے کا خبط تو پہلے ہی تھا، اب ایک اہم پرچے کی عنانِ ادارت کیا سنبھالی، گویا اپنا سب کچھ بھول کر اخبار ہی کے ہو رہے ہیں۔ گھر بار، نوجوان بیوی، اور اس کی خواہشات اسی ایک تند رو دھارے میں بہتی چلی گئیں۔ اور بھوپتی بابو آنکھیں موندے اپنی ڈگر پر چلتے رہے۔ ادھر ملکی معاملات کی خود ساختہ ہزاروں الجھنیں، اور غریب ایڈیٹر کی ایک ننھی سی تنہا جان، اور ادھر جوانی کی چڑھتی ہوئی آندھیوں کا جنوں خیز جوش و خروش اور ایک کمزور عورت! ——— ایڈیٹر اپنی کرسی پر بیٹھ کر مشرق و مغرب کے بڑے بڑے بادشاہوں اور قوموں کے حکمرانوں کو قیمتی مشورے دیتا رہا۔ اور اس کی بیوی اپنی تنہائیوں میں دل چسپی پیدا کرنے کا طریقہ سوچتی رہی۔

چارولتا ابھی پوری طرح جوان بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ملک کے رسم و رواج نے اسے بھوپتی بابو کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ شادی کے پہلے چند سال جو چاؤ چونچلوں ہی کے لئے خلق کئے گئے ہیں، بچپن کی معصومیت میں بیت گئے۔ اور چارولتا کو معلوم بھی نہ ہوا کہ شادی کس چڑیا کا نام ہے اور خاوند جہاشے کون ہوتے ہیں، لیکن بچپن کو آخر جانا تھا، عمر کے افق پر شباب کی شفق پھوٹنا تھی۔ قدرت انسانی خیالات اور جذبات کی غلام نہیں،

اسے تو اپنا کام اپنے وقت پر کرنا ہی تھا۔ چنانچہ جوانی نے چارولتا کی رگوں پر نشتر چلائے اور اسے چونکا کر بیدار کر دیا۔ اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ اس کے گرد و پیش دولت بھی تھی۔ ایک بڑا گھر تھا جسے قدرت نے اس کی ملکیت میں دے دیا تھا شباب کے اس ترنگوں پر آئے ہوئے باغ اور جوبن کی اس بھبھکتی ہوئی بہار کا مالی بھی تھا۔ سبھی کچھ تھا، مگر اس کے باوجود کچھ بھی تو نہ تھا۔ زندگی کا سونے چاندی سے منڈھا ہوا خول اپنے بھیانک خلا کو چھپانے کی کوشش کے باوجود چھپانے میں ناکام رہا تھا۔ جوانی نے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا راز فاش کر دیا ـــ بھلا جہاں خاوند اپنی بیوی سے بے پروا ہو کر محض ایک جذباتی دنیا میں جی رہا ہو، وہاں مسرت کی مسکراہٹیں کہاں؟ اور جنت کے وہ پھول جنہیں خانگی شادمانی کا نام دیا جاتا ہے کھلیں تو کیسے؟

یہی وجہ تھی، کہ چارولتا جب بھی موقعہ پاتی، بھوپتی بابو کو تیز تیز طعنوں اور چھپے دبے طنز کے نشتروں سے کریدتی رہتی۔ لیکن بھوپتی بابو کے پاس ان طعنوں اور اس طنز کے پردے میں چھپی ہوئی مضطرب جوانی کو سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ سمجھے بھی تو صرف یہی کہ ان کی بیوی اکیلی ہے۔ اور اس تنہائی سے گھبرا گئی ہے۔ اس لئے اس کے پاس کوئی ایسی سہیلی ہونی چاہیئے، جو اس کے دکھ سکھ میں برابر کی شریک ہو۔ چنانچہ اسی دن انہوں نے اماپتی سے کہہ کر اس کی بیوی کو اپنے یہاں بلوا لیا۔ اندھا کیا مانگے دو آنکھیں، اماپتی تو پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ جسطرح ہو، بیوی کے نت نئے اخراجات کا بوجھ بھی سر سے ٹلے۔ جھٹ سے تیار ہو گئے۔ مندا کنی چارولتا کی تنہائیوں میں ایک ہم عمر جلیس بن کر طلوع ہوئی۔

لیکن اس سے کیا ہونا تھا، مرض کی تشخیص ہی غلط ہوئی تھی، علاج نشانے پر کیسے بیٹھتا۔ بھوپتی بابو غلط سمجھے تھے، چارولتا اکیلی نہ تھی، اسے لکھنے پڑھنے کا شوق پہلے ہی سے تھا، لیکن کچھ تو والدین کے پرانے خیالات اور کچھ چھوٹی عمر کا بیاہ آڑے آیا، اور چارولتا علم کی دولت سے محروم رہ گئی۔ تاہم شوق کی اندھی آنکھیں اندھی ہو چکنے باوجود

اپنا راستہ ڈھونڈ نکالنے میں کمال رکھتی ہیں، چارولتا نے بھی اس پیاس کو بجھانے کا طریقہ سوچ لیا تھا۔ اَمل بھوپتی بابو کی بوا کا لڑکا ایک بڑے کالج میں تھرڈ ایر میں تعلیم پاتا تھا۔ گویا چارولتا کی نظروں میں علم و عرفان کا دیوتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ، کہ اس کا اپنا دیور تھا، چارولتا نے اسے گانٹھا اور اس سے پڑھنے لگی۔

اَمل نے جب بھاوج کو اپنا دست نگر دیکھا تو نخرے کرنے لگا۔ آج کتابیں خریدنے کے لئے پیسے چاہیئیں، فلاں ہوٹل میں ٹی پارٹی ہے، خالی جیب وہاں جانا بڑے شرم کی بات ہے، اور پھر فلاں دوست نے اسے کئی دفعہ دعوت دی ہے۔ اگر اس نے اسے گھر بلا کر اس کی خاطر مدارات نہ کی تو بڑی سُبکی ہوگی۔ یہ سب خرچ محض دو لفظ پڑھنے کے لئے برداشت کرنے پڑتے تھے۔ اور چارولتا کو چار و ناچار یہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ خاوند کی لاپروائی کے خلاف دیور کا اِلتفات محبت کی بھوکی چارولتا کو اس تیزی سے اپنی طرف کھینچ رہا تھا، کہ بعض اوقات امل کی تلخ ترین باتیں شہد میں بھیگ بھیگ جاتی تھیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اسے ان ناز و اداؤں میں لطف سا آنے لگا تھا اور وہ ہر بات سے پہلے انکار کرکے اور پھر اُسے پورا کرکے امل کو متحیر بنا دینے میں مزا لینے لگی تھی۔

ایک دن امل نے چارولتا سے کہا: "دیکھو نا بھابی! ہمارے کالج میں ایک لڑکا ہے وہ ہر روز گھر کی بنی ہوئی تلے والی جوتی پہن کر آتا ہے۔ جوتی یقیناً بہت ہی اچھی، اور خوبصورت ہے۔ لیکن اس پر بھلا اینڈنے اور اکڑنے کی کیا بات ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس ایسی تلے والی جوتی کوئی اور پہن ہی نہیں سکتا۔"

"پھر؟" قدرتی سوال تھا جو چارولتا نے کیا۔

"تم ہمیں ویسی ہی جوتی بنا دو! ہم اس کی ناک کاٹ دیں گے کالج بھر میں۔"

موقعہ مناسب تھا، امل نے کہدیا

"ارے رام!" گو چارولتا جانتی تھی کہ یہ سب کچھ اسی سوال کے لئے کہا جا رہا ہے۔ لیکن اس نے بناوٹی تحیر سے کہا: "تو میں اب جوتیاں گانٹھنے بیٹھوں گی تمہارے لئے، نہ بھئی یہ تو نہ ہوسکے گا ہم سے! روپے لے لو اور بازار سے جاکر خرید لاؤ۔"

"اونہہ" امل نے کہا "مشین سے بنی ہوئی اور ہاتھ سے بنی ہوئی چیز میں بھلا کوئی فرق ہی نہیں ہوتا۔ دیکھو اچھی بھابی۔ جو ہوئیں آپ! ہمیں بنا دیجئے۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا میں لکھے دیتی ہوں۔ مجھے سوئی میں دھاگہ ڈالنا آتا نہیں، تلے والی جوتیاں سینے بیٹھوں گی!"

امل کچھ مایوس سا ہوگیا۔ وہ بے چارہ کیا جانے کہ اس کی بھاوج اپنی دنیا کا مرکز اسی کی بے لوث اور پاک محبت سے بنا رہی ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ اس انکار کے باوجود چارولتا نے دل ہی دل میں جوتی سینے کا ارادہ بھی کر لیا ہے۔ اور اس ارادے کو اسی دن سے عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ اس نے چپکے چپکے انتہائی مستعدی اور ہمت سے سینا پرونا سیکھا اور دن رات ایک کرکے جوتی تیار کر لی۔

ایک دن چارولتا نے خاص طور پر امل کمار کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ یہ دعوت کوئی غیر معمولی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی بھاوج کے ساتھ کھانا کھانے میں امل کو خاص لطف آیا کرتا تھا۔ وہ اپنے منہ سے لقمہ نکال کر اسے دیتی تھی، اس لئے اس دعوت کی خوشخبری سن کر امل بہت خوش ہوا۔ اور جھٹ ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو آیا۔

گرمیوں کی شام تھی اور ہلکی ہلکی فرحت بیز ہوا چل رہی تھی، چھت پر سفید چاندنی کا فرش تھا۔ اس پر ایک نہایت ہی نفیس تھال پُر تکلف رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ امل ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا آیا اور جھٹ سے رومال اٹھا دیا۔ لیکن اس رومال کے پردے میں کھانا نہیں تھا، بلکہ مخمل کی ایک نہایت ہی خوبصورت تلے دار جوتی تھی۔ امل پہلے تو حیران ہوگیا۔ لیکن پھر شرمندگی کی ہنسی ہنسنے لگا۔

چار دلتانے ہنس کر کہا۔

"کھالو بھیا!"

امل بولا۔

"کیا جوتیاں؟"

چار دلتانے اسی طرح ہنستے ہنستے جواب دیا۔

"خیر ہے ؛ مخمل ہی کی تو ہیں!"

امل ہنسنے لگا۔

دن بیت گیا۔ امل کو جوتی بہت ہی پسند آئی ۔ اور وہ رہ رہ کر اس کی تعریف کر رہا تھا۔ چار دلتا کو اس کی محنت کی داد پوری طرح سے مل گئی تھی۔

لیکن جوتی پا کر امل نے اور پاؤں پھیلانے کی ٹھان لی۔ آج مفلر کی ضرورت ہے۔ کل ریشمی رومال پر گل بوٹے نہ ہوئے تو ناک کٹ جائے گی۔ پھر بیٹھنے والی کرسی پر تیل بھی تو لگ جاتا ہے۔ اس کے لئے ایک بڑے سے عمدہ رومال کی ضرورت ہے۔

چار دلتا پہلے تو انکار کر دیا کرتی۔ پھر اسے چپکے چپکے تیار بھی کر دیتی، اور اس طرح شوقین امل کا شوق پورا ہو جاتا۔

اسی طرح زمانہ اپنے تیز رو سیاہ و سفید پروں پر اڑتا ہوا تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھتا رہا۔

مکان کی چار دیواری کے اندر زمین کا ایک سفید ٹکڑا بیکار پڑا تھا۔ امل کو بیٹھے بیٹھے اس میں باغیچہ لگانے کا خیال پیدا ہوا۔ خیال کا آنا تھا کہ تکرار شروع ہوگئی پودوں اور بیجوں کے لئے پیسوں کا مطالبہ ہونے لگا۔ چار دو کی زبان انکار پہ انکار کرتی رہی۔ لیکن اس کے ہاتھ مینہ کی طرح برستے رہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مکان میں اچھا خاصہ خوبصورت سا باغ لگ گیا۔ اسی باغ میں گو مڑے کا ایک درخت بھی تھا۔ سایہ دار اور خنک!

امل اور چارو دوپہر کے وقت عام طور پر اسی گومرٹے کے نیچے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے چارو کو دور کی سوجھی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس باغیچے کی وسعتوں میں اضافہ کر دیا جائے اور اسے ذرا بہتر شکل دے دی جائے، تو بھوپتی بابو کے لئے کافی حیرت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس نے اپنی تجویز امل کے سامنے پیش کی، اور امل کی آتش گیر طبیعت نے جھٹ تصور کے پر لگا کر ایک ایسے باغ کا نقشہ قائم کر لیا، جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے انتہائی نظر فریب اور پُر لطف تھا۔

امل نے دُور اُفق میں آنکھیں گاڑتے ہوئے گویا کسی نظر نہ آنے والی چیز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھابی! پرانے زمانے کی شہزادیاں اپنے پودوں کو خود ہی پانی دیا کرتی تھیں؛ آپ کو بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔"

چارو بولی

"اس کے مغربی حصے میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہو۔ جس میں ہرنوں کے بچے رکھے جائیں۔ بڑی بڑی سیاہ نشیلی آنکھوں والے اپنی چوکڑیوں سے خوشیاں بکھیرتے ہوئے۔"

امل کی شاعرانہ طبیعت نے اس پر بھی اضافہ کیا۔

"اس میں ایک جھیل ہو۔ جس میں ہنس ہوں۔"

جھیل کے تصور نے چارو کے تخیل کو پر لگا دئے۔ اور وہ اس تصویر میں اور تیز رنگ بھرنے لگی۔

"اس جھیل میں نیلے نیلے کنول لگائے جائیں کیسے بھلے لگیں گے یہ!"

اور امل نے تصور کے موقلم سے ایک اور چھینٹا دیا۔

"حوض بغیر پل کے بھی کیا بُرا لگے گا۔ اس پل کے ساتھ بندھی ہوئی نرم نرم لہروں میں ہچکولے کھاتی ہوئی ننھی ننھی کشتیاں کیسی رہیں گی؟"

چارو کی نسائی زبان نے نفاست پرور لہجے میں کہا۔

"یہ پلیا سنگ مرمر کی ہونی چاہیے۔ جب ساون کے کالے کالے بادل آئیں گے تو یہ سفید پلیا! اُف اس کیسا سہانا سماں دکھائے گی!"

اس نے کاغذ پنسل لی۔ اور باغ کا نقشہ تیار ہوگیا۔ اب ہر روز ان دونوں کا یہی معمول تھا کہ گومرٹے کے سائے میں بیٹھ کر اس باغیچے کے نقشے میں قطع و برید کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چند ہی دنوں میں کئی نقشے بنائے اور پھاڑ کر پھینک دئے گئے۔ آخر بڑی گرما گرمی اور بحث و تمحیص کے بعد ایک نقشہ پاس ہوا۔ اب دوسرا مرحلہ اس کے خرچ کا اندازہ لگانا تھا۔

یوں تو اگر یہ دونوں چاہتے، تو باغیچے کے لئے کافی روپیہ بھوپتی بابو سے بھی اینٹھ سکتے تھے، لیکن ایسا کرنے میں بھوپتی بابو کو بھی باغیچے کی ساری اسکیم کا پتہ چل جاتا اور یہ چاہتے تھے کہ جس طرح ممکن ہو، بھوپتی بابو اپنے اخبار میں لگے لپٹے لیڈری کیا کریں اور یہ دونوں چپکے چپکے باغیچہ تیار کرلیں۔ اس طرح جب بھوپتی بابو ایکا ایکی اس باغیچے کو دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ الہ دین چراغ کا کوئی جن تھا جس نے یہ ساری کارروائی کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے مل کر یہ مشورہ کیا کہ چارو اپنے معمولی جیب خرچ سے آہستہ آہستہ باغیچہ تیار کرواتی رہے۔ یہاں تک کہ سال ڈیڑھ سال میں سب کچھ تیار ہو جائے۔ لیکن جب حساب لگایا گیا تو سنگ مرمر کی پلیا، ہرنوں کے لئے جھونپڑیاں اور پھر ماریشش دلیش سے آنے والے لونگ، کرناٹک کا چندن اور سیلون کی دارچینی کے پودے جنہیں اس باغیچہ کی زیب و زینت بننا تھا سب بادلوں میں تحلیل ہوتے معلوم ہوئے۔ ایک گھر گرہستی عورت خواہ وہ کتنے ہی امیر گھرانے کی مالکن کیوں نہ ہو، محض اپنے جیب خرچ سے یہ ٹھاٹھ باٹھ کیسے کر سکتی تھی۔ چنانچہ مجبوراً باغیچے میں سے کچھ گھٹانے کی ضرورت پیش آئی۔ امل اب بھی ویسا ہی گرمجوش تھا۔ اس نے فوراً نقشے پر بنی ہوئی

پلیا پر خط تنسیخ پھیرتے ہوئے کہا۔

'بھابی جی، تو پھر اس پلیا کو ہی اُڑا دیجئے۔ اس کی ایسی کیا ضرورت ہے۔"

لیکن چارو اسے محض ایک پائیں باغ ہی کا نقشہ نہیں سمجھ رہی تھی، بلکہ یہ نقشہ اسکی نظروں میں ایک دلآویز گیت تھا۔ ایک حسین شعر تھا جس کی ہر چیز اپنی جگہ ضروری اور اشد ضروری تھی، تڑپ کر بولی۔

'کیسے ممکن ہے یہ؟ نیل کمل کہاں کھلیں گے؟"

لیکن خود سر انل نے اِن جذبات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسرا نشتر چبھو دیا۔

"اور پھر ہرن کے ان بچّوں کے لئے جو مکان ہوگا، ان میں ایسی بڑی بڑی کڑیوں کی ایسی کیا ضرورت ہے۔ آجکل لکڑی یوں بھی مہنگی ہو رہی ہے۔ گھاس پھونس کا یونہیں ننھا سا جھونپڑا بڑا ٹھیک ہے۔"

"اونہہ" چارو بولی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا، کہ اس کے حسین خواب سے شہد کی بوندیں چھینی جا رہی ہیں۔" ایسے مکان ہی کو رہنے دو۔ زربفت میں ٹاٹ کا پیوند بھلا کیا لگانا!"

اور پھر جب انل نے اسی لاپروائی سے تیسری چوٹ کی۔

"یہ چندن اور لونگ اور ——— کیا نام یہ دارچینی جیسی گرم گرم چیزیں باغیچے میں لانے سے کیا حاصل۔ خواہ مخواہ کو اور کچھ نہیں تو دردِ سر ہی میں کام آئیگا۔ یہی اپنے دیسی اور ولایتی پھولوں کے پودے یہاں لگا دیں گے۔ ارے بھابی جی! سچ کہتا ہوں تم دیکھ لینا، انہیں پھولوں سے باغ دلہن بن جائے گا دُلہن، میں جو کہتا ہوں آپ سے۔"

اور چارو کو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے اسے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہے۔ اس کا خواب؛ اس کی رنگین دنیا ایک ہی دفعہ ملیامیٹ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس نے مُنہ پھلا

کر کہا۔

"تو پھر سنبھال رکھو اس باغیچے ہی کو۔ آخر ایسا بھی کیا باغیچے کا نہ کام لگ رہا ہے اس کے بغیر مرے نہیں جاتے۔"

"تو پھر بھائی جی سے کہہ دیجئے وہ خود بنوا دیں گے۔"

"ارے وہ تو ایک دفعہ صاحب سے کہہ دیں، تو اس جگہ تمرود کا باغ لگ سکتا ہے لیکن وہ لطف کہاں؟"

یہ بات بھی ٹھیک تھی۔ بھوپتی بابو کو حیرت میں ڈال دینے سے جو لطف ملتا وہ بھلا انہیں سے لگوائے ہوئے باغیچے میں کہاں تھا اور یہ بات بھی ٹھیک تھی، کہ یہ باغ عدن یہاں پر پیدا ہو جائے تو کیسے؟ غرض دونوں باتیں بڑے معرکے کی تھیں۔ اور یہ دونوں بھاوج دیور بڑے سر جوڑ جوڑ کر اس پر بحث کر رہے تھے۔ گومڑے کے سپتے ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر تالیاں پیٹ رہے تھے۔

اسی اثنا میں مندا کنی پاندان لئے ہوئے برآمدے میں آ نازل ہوئی۔ دونوں میں گاڑھی چھنتی دیکھی تو رہا بھی نہ گیا۔ اور زبان کو روکتے روکتے بے اختیار ہو کر بول اٹھی۔

"ارے یہ تم دونوں گومڑے کے نیچے بیٹھے کیا کھچڑی پکا رہے ہو؟"

"چارو بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھی۔ جھٹ سے بولی۔

"ارے کوئی پکا گومڑا ڈھونڈ رہے ہیں جو مل جائے۔"

"مل جائے" مندا کنی کے منہ میں بھی پکے گومڑے کا نام سن کر پانی بھر آیا۔" تو میرے لئے بھی ایک آدھ لوا لانا۔ سمجھیں؟"

یہ کہا اور مندا کنی حسب عادت اندر چلی گئی۔ بات یہ تھی، کہ چارو اور امل اپنے دل کی باتیں اپنے تک ہی محدود رکھا کرتے تھے۔ کسی تیسرے کو راز دار بنا کر اس راز کی ہیجان انگیز اسراری قوتوں کو ضائع کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اور خدا لگتی یہ بھی

ہے کہ منداکنی نے ان کے اس راز کو فاش کرنے کی کوشش بھی کبھی نہیں کی تھی ۔ اور کرتی بھی کیوں ؟ بے چاری مہابھارت کے زمانے کی عورت، غور و خوض کرنے کی عادت سے بیگانہ، کسی شاعرانہ تصور کو سمجھنے سے عاری تو تھی ہی ۔ بیسویں صدی کے ان رنگین مزاج اور شاعرانہ تصور رکھنے والے بھاوج دیور کی بات میں ٹانگ اڑاتی بھی تو اسے مل کیا جاتا ؟ اس لئے وہ ہمیشہ ان لوگوں سے الگ ہی رہتی ۔ اور اپنی دنیا چھالیا کترنے اور پان بنانے تک محدود رکھتی ۔

لیکن یہ دونوں گومڑے کی ٹھنڈی چھاؤں میں جلتے ہی تخیل کو بے زنجیر کر دیتے باغیچے کے نقشے پر مزید غور ہوتا ۔ لیکن اس میں کسی قسم کی کمی کی گنجائش ہی نہ تھی ۔ اور ہوتی بھی کیسے ؟ نقشے میں رد و بدل کرنے کے لئے امل نے پنسل اٹھائی ۔ اور چارو کے دل کی گویا چولیں ہل گئیں ۔ جھٹ سے اس کا ہاتھ روک دیتی ۔

کچھ دنوں کے بعد آہستہ آہستہ یہ نقشہ کاغذ سے اتر کر زمین پر آنے لگا ۔ امل نے پھاوڑہ لے کر اس جگہ نشان لگا دئے جہاں ہرنوں کا گھر بننا تھا ۔ پھر وہ زمین بھی منتخب کر لی گئی ۔ جہاں نیل کمل کے حوض اور بیلیا کو عالم وجود میں آنا تھا گولر کے درخت کے چاروں طرف ایک وسیع حد بندی قائم ہو گئی ۔ اور اس طرح باغیچے کے لئے زمین بالکل تیار کر لی گئی ۔

لیکن اسی دن جب دن باغیچے کی حد بندیاں قائم ہو رہی تھیں ۔ امل پھاوڑہ چلا رہا تھا ۔ اور چارو شوق بھری آنکھوں سے اس کی پیشانی پر سے گرتے ہوئے محنت کے ایک ننھے سے پسینے کو دیکھ رہی تھی ۔ بالکل اسی دن چارو نے ایک نیا شگوفہ چھوڑ دیا ۔ مزے سے نرم نرم گھاس پر لیٹ کر بولی ۔

"ارے امل ! اگر تو لکھ سکتا تو کیا ہی اچھا ہوتا "

امل نے پھاوڑہ کندھے پر رکھا ۔ اور حیران نظروں سے بھابی کی طرف دیکھ کر بولا ۔

"کیوں؟ ——— تو کیا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ گویا امل نہیں، آمل کی بھابی ہوں"

"ارے میرا مطلب یہ ہے" چارو نے کھسیانی ہو کر کہا "کہ اگر تو باغیچے والی ان ساری باتوں کو افسانے کے رنگ میں لکھ سکتا، تو کیسا دلچسپ افسانہ بن جاتا"

پھاوڑہ خود بخود رینگتا رینگتا امل کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور اس کے پاؤں اسے خود بخود بھابی کی طرف لے آئے۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"اگر میں لکھ لوں، تو کیا دیں گی آپ؟"

"جو تو مانگے گا"

"تو پھر ہو گئی بات؟"

"ہو گئی"

"پکی؟"

"پکی!"

"اچھا تو پھر ہماری مچھر دانی پر پھول کاڑھ دیجئے۔ بیل میں بنا دوں گا۔ اور پھر دیکھئے آپ!"

"تو تو باؤلا ہے باؤلا۔ تو بھلا کسی نے دنیا میں مچھر دانی پر بھی بیل بوٹے کڑھوائے ہیں"

"ارے بھابی! آپ نہیں سمجھتیں۔ مچھر دانی پر ہی اگر حسن نہیں آئے گا تو یہی مچھر دانی ایک بے کیف قید خانہ بن جائے گی"

"اچھا تو میں بنا دوں گی، تو لکھ!"

امل نے دوبارہ بھاوج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور عجیب آواز میں بولا۔

گویا آپ کا خیال ہے کہ ہم کچھ لکھ ہی نہیں سکتے۔"

مدت سے بند چشمہ مُردہ سمجھ لیا گیا تھا۔ لیکن اس ایک بوند نے باہر ٹپک کر اس کی زندگی کی دلیل پیش کردی۔ اور چاروں اس سے سیراب ہونے کے لئے بے قرار ہو گئے۔

"ارے امل! تو تُو نے سچ مچ کچھ لکھ رکھا ہے۔ آج ہی سنوں گی، لا سُنا!"

امل نے کچھ شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔

"نہیں بھابی جی! ایک روز اور ٹھہر جایئے۔"

"اونہوں ---- اب ایک پل کو نہ ٹھہروں گی۔ ایک منٹ کے لئے نہیں رُک سکتی۔"

ادھر بھاوج کا اصرار، اس پر اپنی پہلی کوشش کو سُنا دینے پر مجبور کرتا ہوا دل، داد کے لطف سے آشنا ہونے کے لئے بیقرار سماعت اور ادھر شرم ---- یونہی سی، بے معنیٰ بے مطلب!

لیکن اصرار غالب آیا۔ دل نے حجاب کے پردے اُٹھا دئے۔ اور وہ کھانستا شرماتا اور لجاتا، سرخ چہرے پر مسکراہٹ کے پردے بکھیرتا ہوا اندر گیا۔ اور اپنی کاپی اُٹھا کر پھر چلا بھی آیا۔ اسی طرح شرماتا لجاتا، سُرخ چہرے پر مسکراہٹ کے پردے بکھیرنے کی کوشش کرتا ہوا۔

اور پھر کاپی کھل گئی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھر گئی۔ تھوک حلق کو تر کر گئی، آنکھیں مضمون پر گڑ گئیں۔ اور گھبرائی ہوئی سی، کانپتی ہوئی سی آواز نے گومڑی کی تالیوں کے ساتھ گلا ملایا ---- مضمون کا عنوان تھا "میرا رہبر" ---- اور یہ کانپتی ہوئی آواز کہہ رہی تھی:-

"اے میرے صاف و پاک رہبر! تیری یہ صفائی اتنی گہری ہے کہ میرے خیالات اس تک پہنچ نہیں پاتے۔ تو ازل کی منزل سے دنیا کی آماجگاہ میں پہلا قدم رکھنے والے اس بچّے کی پیشانی جیسا صاف ہے جس نے زچہ خانے میں اپنی پہلی تان اڑائی ہو۔ میں نہیں جانتا

کہ کب اور کس وقت میں تجھ پر اختتام کا لفظ لکھوں گا" وغیرہ وغیرہ۔

اسی قسم کی اور بہت سی باتیں امل نے لکھ رکھی تھیں۔ جن میں مبتدیانہ کمزوری بن کی جھلک بھی اپنے منتہا پر تھی۔ تاہم خیالات موجود تھے۔ چارو نے کچھ سمجھا، کچھ یونہیں سمجھ لیا کہ اچھا ہوگا۔ اور بولی۔

"اور نہیں لکھ سکتے؟"

یہ پہلا دن تھا جب امل نے گومڑے کے سائے میں بیٹھ کر ادب کی اس کیف بار شراب کا پہلا گھونٹ چکھا تھا۔ جو کافر منہ کو لگی چھڑائے نہیں چھٹتی ــــ نوخیز ساقی اور نئے نئے ہونٹ ــــ اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ دوپہر کے چھوٹے چھوٹے اداس سایوں میں ایک اسرار متحرک ہے ــــ ایک راز ہے کہ تڑپ رہا ہے فاش ہو جانے کے لئے!

وہ سوچ رہا تھا کہ ادب، ادیب، لافانی شہرت، غیر فانی بلندی ــــ اور شاید وہ ان دونوں چیزوں پر اتنا غور کرتا کہ اپنے آپ کو بھول بیٹھتا۔ لیکن چارو نے اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

"امل یہ چند گومڑے چن لو۔ نہیں تو مندا کنی کو کیا حساب دیں گے؟"

اور امل نے گومڑے چن لئے ــــ مندا کنی بے چاری کیا جانے ادب، اس کے لئے تو گومڑے ہی سب کچھ تھے۔

---

(۲)

باغیچے کا خیال تو دھرا کا دھرا ہی رہ گیا۔ اور اب اس کی جگہ گومڑے کی ٹھنڈی

چھاؤں میں ادب کے چرچے ہونے لگے - اور یہ دونوں اس ادبیت میں کچھ ایسے کھو گئے کہ دونوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ باغیچہ کہاں گیا - اور نقشہ کہاں غائب ہو گیا -

امل کا ہر روز کا معمول یہ تھا کہ جب بھی بھاوج سے ملتا کہتا -

"بھابی جی! ایک خیال ذہن میں آیا ہے - آہاہا! کیا شاعرانہ خیال ہے - کاش اسے الفاظ مل جاتے"

اور چارو کہتی -

"کوشش تو کرتے!"

"اجی کوشش کیا خاک کرتا - یہ دیکھو صفحوں کے صفحے لکھ کر کاٹ دئے - وہ لطف نہیں آیا، جو اس خیال کے ذہن میں آتے وقت آیا تھا"

اور اس کے ساتھ ہی چارو کا اصرار شروع ہو جاتا -

"سناؤ - ابھی سناؤ!"

لیکن امل کچھ تو حجاب کی وجہ سے اور کچھ یونہیں نخرے دکھانے کے لئے انکار پہ انکار کرتا - کبھی کہتا -

"تھوڑا سا تو لکھا ہے وہ بھی غلط سلط - ٹھیک کر لوں تب سناؤں گا" کبھی کہتا اس طرح کیا مزا آئے گا - یہ تو اس خیال کی بھی جڑ نکل گئی ہے - لطف کیا خاک آئے گا"

اور جب چارو کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ جاتا، تو وہ چپکے سے باہر کھسک جاتا - اس طرح چارو کے احساس تجسس کو سخت چوٹ لگتی - اور اگر وہ ناراض ہو بیٹھتی - یا ناراض ہونے کی کوشش کرتی تو یہ کوئی غیر فطری بات نہ تھی -

ایسے موقعہ پہ عام طور پہ یہ ہوا کرتا تھا کہ چارو سارا سارا دن دل ہی دل میں بڑی بڑی ثقیل قسمیں کھا کھا کر ارادہ باندھا کرتی تھی کہ وہ امل سے نہیں بولے گی - اس کی تحریر کو سننے کا اشتیاق ظاہر ہی نہیں کرے گی - جو ہو سو ہو - اگر امل نے بلا بھی لیا تو

وہ ڈانٹ دے گی۔ لیکن شام کے وقت امل خود ہی پھرتا پھراتا کہیں سے نمودار ہو جاتا اور چارو کے سامنے آ کر جیب میں سے رومال نکالنے کے بہانے کاغذ کا ذرا سا کونا باہر دکھا دیتا۔ ساری قسمیں، سارے ارادے اس ایک چھوٹے سے کاغذ کے کونے کو دیکھ کر پگھل جاتے۔ وہ بے تاب ہو جاتی۔ اور مجبور ہو کر کہہ دیتی۔

"لکھ لیا پورا؟"

"نہیں تو" امل جیب میں سے نکلے ہوئے کاغذ کو تھپک کر کہتا "یہ تو یونہی کاغذ ہے"

"چلو جتنا لکھا ہے سُنا دو"

"تو پھر سُنئے گا"

جیب سے کاغذ نکل آتا اور شعریت کا ایک فوارہ اچھل کر چارو کی روح کو مسرت سے تربتر کر دیا کرتا تھا۔

ایک دن دیور بھابی میں اسی قسم کی لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی کوئی نئی نہ تھی لیکن سخت ضرور تھی۔ اس لئے چارو نے پکا عہد کر لیا تھا، کہ خواہ زمین آسمان بن جائے اور آسمان زمین پر اتر آئے، خواہ مندا کنی کا پاندان مردے کی کھوپڑی کی شکل اختیار کر لے تب بھی وہ نہ بولے گی۔ اس لئے شام کے وقت جب امل سیٹی بجاتا اور آپ ہی آپ مسکراتا ہوا اندر آیا تو چارو نے ایک خوفناک تیوڑی چڑھالی۔ اور کمرے سے نکل کر برآمدے میں چلی گئی۔

امل نے دیکھ لیا۔ اور اس نے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے مندا کنی کو آواز دے دی۔ یہ چیز چارو کے لئے سخت تکلیف دہ تھی۔ عورت فطرتاً حاسد ہوتی ہے۔ یا کچھ اور، بہرحال چارو یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی امل کی خفیہ قوتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس لئے وہ یہ برداشت نہ کر سکی۔ مکان کے اندرونی کمرے میں آ کر کئی دفعہ تالیاں بجاتی رہی۔ لیکن اس پر بھی ظالم امل نے اس کی

طرف پھر کر نہیں دیکھا۔

اس بے اتفاقی نے چارو کو سخت تکلیف دی۔ وہ غصے میں بھناتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی۔ اور یونہی الماری میں ہاتھ مار دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے؟ کتاب تو تھی، لیکن کتاب کا نام کیا ہے۔ کس کی لکھی ہوئی ہے، دلچسپ بھی ہوگی یا نہیں، یہ سب سوال چارو کے دل میں بھبھکتی ہوئی غصے کی آسمان گیر آگ میں جھل کر بھسم ہو گئے تھے، اور چارو اسی غصے میں جلتی ہوئی کتاب لئے سیدھی برآمدے میں پہنچی اور اپنے مونڈھے پر بیٹھ کر کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔

یہ کتاب منمتھ دت کی تصنیف تھی۔ منمتھ دت نئے مصنف تھے۔ اور انکی تحریر میں بھی تقریباً وہی خامیاں تھیں جو امل کی تحریر میں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے امل انکی کتابوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ وہ خود اس سے کہیں بہتر لکھ سکتا ہے۔

چند لمحوں کے بعد امل برآمدے میں داخل ہوا۔ لیکن چارو نے آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ جو ہو سو ہو۔ آج تو امل کو اس کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

لیکن امل کا غصہ شاید فرو ہو چکا تھا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مندا کنی نہ ملی ہو اور اگر ملی ہو تو کوئی خوش مذاقی کی بات اس سے نہ ہوئی ہو۔ اس لئے امل چپکے سے وہاں سے چلا آیا ہو۔ بہرحال اب امل کے تیوروں سے کسی قسم کے غصے یا رنج کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ وہ لپکا ہوا آیا اور آتے ہی بولا۔

"کیوں بھابی! کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟"

چارو چپکے سے بیٹھی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی نظریں سطروں سے سی دی گئی ہیں۔

بھابی کو اس طرح بگڑا ہوا دیکھ کر امل شرارت آمیز خوشامد پر اتر آیا۔ اور کرسی

کے پیچھے آکر کتاب دیکھنے کے بعد بولا۔

"اُف! اومنمتھ دت کی بکواس پڑھ رہی ہیں آپ؟"

چارو جھلا کر بولی۔

"تم سے کیا۔ ہم پڑھ رہے ہیں"

اور امل نے مذاق اُڑانے کی غرض سے کتاب کو آواز بلند پڑھا۔

"میں درخت ہوں —— حقیر درخت......

......ایک معمولی درخت! مجھ میں پھول نہیں کہ میں خوبصورت نظر آؤں۔ میں سایہ دار نہیں کہ کسی کے دل میں میرے لئے کشش پیدا ہو۔ میں بلند نہیں کہ میرا دماغ آسمان پر ہو۔ —— بسنت میں میری ہری ہری ڈالیوں پر جھوم جھوم کر کوئل مستی کی ترنگوں میں آکر نہیں کوکتی —— میری ڈالیوں پر اس کے لئے کوئی پناہ نہیں ہے —— جو کچھ بھی ہو بھائی اشوک، تم انہی پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیوں کا سایہ میرے سر پر نہ رکھنا۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ گو میں حقیر ہوں —— ذلیل ہوں —— تب بھی ایک درخت ہوں، درخت!"

اور امل نے اس پر پیروڈی کی۔

"میں کیلے کا درخت ہوں —— بے ڈول، لمبا، اور تو میرے بھائی آم کا درخت ہے۔ تاہم میرے سر پر ——"

چارو کو یہ مذاق کچھ ایسا پسند آیا کہ وہ بے اختیار ہو کر ہنس پڑی۔ اور ایسی ہنسی کہ مارے ہنسی کے دُہری ہو گئی۔ شاید یہ غصے کا ردعمل تھا۔ اس نے کتاب پرے پھینک کر کہا۔

"بہت جلتے ہو جی! اپنی لکھی ہوئی چیزوں کے سامنے کسی اور کو کچھ سمجھتے ہی نہیں"

امل بولا۔

"جی جی، میں تو خیر حاسد ہوں ہی۔ آپ کہاں کی کھلے دل والی آئی ہیں۔ ذرا سی

بات ہوئی اور منہ فٹ بال بن گیا۔"

"خیر مہاراج!" چارو شرمندہ تو ہوئی۔ لیکن ہنس کر بولی:۔ یہ تمہاری جیب جو تربوز کی طرح پھولی پڑی ہے۔"

امل نے ہنس کر کہا۔

"آپ کے منہ کی نقل اُتار رہی ہے نا!"

"اچھا تو ہے کیا، ہمیں بھی سُناؤ گے یا آج قسم کھا رکھی ہے۔"

لیکن امل اس طرح جلدی قابو میں آنیوالا تھوڑا ہی تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں بنا بنا کر اسے دق کرنے لگا۔ اور آخر جب چارو بہت ہی پریشان ہو گئی تو امل نے اپنی جیب سے ایک مشہور و معروف رسالہ نکال کر بھابی کے ہاتھ میں دے دیا۔

چارو نے ورق اُلٹ پلٹ کر دیکھے۔ اس رسالے میں امل کا وہی مضمون درج تھا۔ جو آج سے کئی دن قبل محض رجسٹر کی زینت تھا۔

یہ دیکھ کر چارو چُپ سی ہو گئی۔ امل کا خیال تھا کہ اس کی اس کامیابی پر اس کی بھاوج مارے خوشی کے اچھل پڑے گی۔ لیکن یہاں معاملہ ہی برعکس تھا۔ چارو کے چہرے پر خوشی کے کوئی آثار نہ تھے۔

لیکن امل داد لینے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ اس لئے بولا۔

"اس رسالے میں کوئی ایسے ویسے مضمون نہیں چھپ جاتے، بڑے معرکے کا پرچہ ہے۔"

حالانکہ حقیقت یہی تھی کہ اس پرچے میں بھی دوسرے پرچوں کی طرح بھرتی کے مضمون زیادہ ہوا کرتے تھے۔ اور ایڈیٹر صاحب کے ہتّے جو کچھ بھی چڑھ جاتا، وہ اس سے صفحے پورے کر لیا کرتے تھے۔ لیکن امل نے اپنی تعریف کرنے کی غرض سے ایڈیٹر صاحب کی خوب دل کھول کر تعریف کی اور کہا کہ وہ ہزاروں لاکھوں مضمونوں میں سے چھانٹ

چھانٹ کر مضمون شائع کیا کرتے ہیں۔

چارو سمجھتی تھی کہ ایڈیٹر کی یہ سب تعریف محض اپنی تعریف کرنے کی غرض سے ہو رہی ہے۔ اور امل داد چاہتا ہے اس لئے اس نے اپنی مسرت کا اظہار کرنے کی کوشش کی۔ مگر نہ معلوم کیا بات تھی کہ وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اسکی مسکراہٹیں پھیکی اور بے کیف تھیں، اس کے قہقہے کھوکھلے اور بے معنی تھے۔ اور اس کی داد میں نام کو بھی جان نہ تھی۔ وہ خود سوچتی تھی، کہ اس خود فراموشی کا کیا سبب ہے اور جس پودے کو اس نے خود اپنی تمناؤں سے سینچ سینچ کر پروان چڑھایا تھا۔ اس کو پھلتا پھولتا دیکھ کر وہ کیوں خوشی سے باغ باغ نہیں ہو گئی۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔

مصنف کی طبیعت ایک دو مضامین کی اشاعت سے آسودہ نہیں ہوتی۔ امل بھی مضمون پر مضمون لکھنے لگا۔ ان کی اشاعت ہونے لگی اور چند قدر دانوں کے ہمت افزا خطوط بھی موصول ہونے لگے۔ امل نے وہ تمام خطوط بھاوج کو دکھائے۔ لیکن چارو ان خطوط کو دیکھ کر مسرت و ابتہاج کی سنسنی محسوس کرنے کی بجائے ایک دھچکا سا محسوس کرتی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگتا۔ کہ کسی نے اس نے دل پہ تاک کر گھونسا مارا ہے۔ اور وہ دم روک کر رہ جاتی۔

امل کو کبھی کبھی عورتوں کے بھی تعریفی خطوط موصول ہونے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے امل اور چارو کے درمیان بنگال کی علم دوست ہستیاں حائل ہو گئیں۔

بھوپتی بابو نے بھی ایک دن کہدیا۔

"امل اتنا اچھا لکھنے لگے گا ہمیں تو اس کا گمان بھی نہ تھا"

آج پہلا دن تھا کہ امل کی تعریف سن کر چارو کو خوشی محسوس ہوئی۔ بھوپتی امل کو اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے تھے۔ اور کئی آدمی بھی ان کے دست نگر تھے۔ لیکن

چارو بھوپتی بابو پر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ دوسرا کوئی شخص اس کے امل کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ وہی وہ دنیا کی پہلی اور آخری ہستی ہے۔ جس نے امل کی خفیہ قوتوں اور پُر اسرار طاقتوں کو پہلی نظر میں جانچ لیا تھا۔ مٹی میں چھپے ہوئے سونے کو پہچان لینا تو خیر ایک بات ہوئی، اور جب سونا باہر آ جائے، پھر تو ہر کوئی اُسے سونا ہی سمجھے گا۔

یہ سوچ کر چارو کا سینہ پھول گیا۔ اور وہ مغرورانہ لہجے میں بولی۔

"آپ نے پڑھا اس کا مضمون؟"

بھوپتی بابو بولے۔

"ہاں، لیکن ایسا غور سے نہیں پڑھا۔ تم جانو وقت ہی نہیں ہے۔ لیکن نشتی کانت بابو نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ بنگالی زبان کو خوب سمجھتے ہیں، وہ کہتے تھے کہ اس میں آئندہ زمانے کا ایک بہت بڑا مصنف پرورش پا رہا ہے۔"

چارو کی تمنا کا ماحصل یہی تھا کہ بھوپتی بابو کے دل میں امل کی عزت پیدا ہو جائے۔

---

(۳)

امایتی بابو نے تو بھوپتی کو سونے کی چڑیا سمجھ ہی رکھا تھا۔ اس لئے ان کی ساری کوششوں کا ماحصل اور ان کے ہر جذبے کا مرکز بھوپتی کی جیب سے کچھ نہ کچھ بٹورنا ہی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ آج بھی وہ اسی جذبے کے ماتحت تشریف لائے تھے۔ اور بھوپتی بابو کو دیہاتی لوگوں کی طرح سمجھا رہے تھے، کہ وہ اپنے مضمون نگاروں میں پانچ انعام تقسیم کرنے کا اعلان

کر دیں۔ لیکن بھوپتی کی سمجھ میں کسی طرح بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ انعام تقسیم کرنے کے باوجود منافع کا مینہ کہاں سے برس پڑے گا۔

ابھی یہ بحث بڑی گرما گرمی سے ہو رہی تھی کہ چارو بھی خاوند کے ساتھ دو باتیں کرنے کے لئے آنکلی لیکن اماپد بابو کو بیٹھا دیکھ کر اُلٹے پاؤں چلی گئی۔ کچھ دیر بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد پھر آئی۔ لیکن یہ ہمت کے پورے ابھی تک اسی مسئلے میں اُلجھے پڑے تھے۔

اماپتی نے چارو کی بے چینی دیکھ لی۔ اور کسی بہانے سے باہر کھسک گئے۔ ان کا جانا تھا کہ گویا چارو کے لئے بہشت کے دروازے کُھل گئے۔ بھوکے کے سامنے پروسی ہوئی تھالی آگئی۔ جس میں رنگا رنگ کی مٹھائیاں اور طرح طرح کی بھاجیاں تھیں۔ وہ لپکی ہوئی خاوند کے پاس گئی اور بولی:۔

"اخبار میں تو آپ کچھ ایسے کھوئے گئے۔ مانو دنیا میں اخبار اور اخبار کے حساب کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ ابھی تک کام ختم نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا آپ یہ محنت کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔"

بھوپتی نے کاغذ ایک طرف رکھ دئے۔ ہونٹوں پر ایک ننھی سی خشک مسکراہٹ لرز گئی لیکن وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ وہ فی الحقیقت چارو کی طرف سے بہت بے پروا ہوتے جا رہے ہیں۔ اخبار کے دھندے آہستہ آہستہ ان کی ساری زندگی پر کچھ ایسی بُری طرح سے محیط ہو چکے ہیں کہ انہیں وقت ہی نہیں ملتا۔ اس لئے انہوں نے چارو کے آنسو پونچھنے کے لئے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"آج تم نے کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے گرو مہاراج کہیں اسٹرائک لئے ہیں۔ بھئی ہماری سمجھ میں تو تمہارے اس اسکول کے قاعدے قانون آتے نہیں، شاگرد کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے۔ اور ماسٹر صاحب گدھے کے سر پر سینگ

ہو رہے ہیں "

چارو نے اپنے مضطرب دل کی آرزوؤں کو خوبصورت الفاظ دیئے۔

" یہ کہاں لکھا ہے کہ میں اپنے لئے امل کا وقت ضائع کیا کروں۔ وہ کوئی میرا نوکر تھوڑا ہی ہے "

بھوپتی اس میں چھپی ہوئی طنز کو تاڑ گئے۔ اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات ہوئی، کہ ان کے ہاتھ خود بخود بڑھ کر چارو کے آنچل سے لپٹ گئے۔ انہوں نے اسے گھسیٹ کر اپنے پاس بٹھالیا اور بولے۔

" اگر تم جیسی شاگرد مجھے مل جائے۔ تو میں دن رات پڑھاتا ہی رہوں۔ ایسی بھابیاں قسمت ہی سے ملا کرتی ہیں۔ اگر مجھے ایسا موقع ملتا، تو ......"

چارو بولی۔

" بس بس رہنے دیجئے، بہت ہوا، اب یہ زبانی جمع خرچ اُٹھا رکھیے "

بھوپتی سرک کر چارو کے قریب آگئے۔ اور اس کی گردن میں باہیں حمائل کر کے بولے۔

" لیکن اس میں ناراض ہونے کی ایسی کونسی بات ہے۔ کل ہی سے ہم تمہیں خود پڑھانا شروع کر دیں گے۔ ذرا کتابیں تو اپنی لاؤ۔ دیکھیں کیا پڑھا ہے تم نے "

" اے بس ہٹو بھی! " چارو نے نزاکت سے بھوپتی کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا " یہ باتیں کسی اور کے سامنے بنایئے گا۔ آپ کو اخبار سے کب فرصت ملے گی جو مجھ غریب کو پڑھانے کا وقت نکل آئے گا "

" ہم ضرور پڑھائیں گے جی۔ لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ تم کہو اور ہم نہ کریں "

" اچھا، تو یہ بات ہے۔ لایئے تو دیکھیں " اور پھر ایک ماہنامہ خاوند کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی " اس میں امل کا ایک مضمون چھپا ہے۔ غضب کا مضمون ہے! ایڈیٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس مضمون کو پڑھ کر بنگالی کے سب سے بڑے نقاد گوپال بابو نے

انہیں بنگال کے رسکن کا خطاب دیا تھا۔ آپ بھی پڑھ دیکھئے۔
یہ سُن کر بھوپتی بابو کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا وعدہ دے چکے تھے اس لئے نبھانا ضروری تھا۔ بادلِ ناخواستہ ماہنامہ لے کر کھولا۔ اس کا مضمون سامنے تھا۔ عنوان تھا "اساڑھ کا چاند" لیکن اساڑھ کے چاند اور ساون بھادوں کی گھر گھر کر آنے والی بدلیوں کی اُسے پروا ہو جس کے سینے میں دل اور دل میں ایک چھوٹا سا شاعر پرورش پا رہا ہو۔ لیکن یہاں صرف دماغ تھا۔ اور دماغ پر اقتصادیات کی حکومت تھی۔ بھوپتی چند دنوں سے گورنمنٹ کے بجٹ پر سخت ترین تبصرہ کر رہے تھے۔ اس وقت بھی ان کے ذہن پر سیاست اور اقتصادیات کا بھوت سوار تھا۔ ایسی سنگلاخ ذہنی کیفیت پر بھلا اساڑھ کے چاند کی نرم و نازک ریشمیں کرنیں کیا اثر کرتیں۔

اور پھر یہ فقرے

"آج اساڑھ کا چاند کیوں بادلوں کی گلی اور چھپ چھپ کے تمام رات پھرتا رہا ہے، بانو جنت سے کچھ چُرا لایا ہے۔ گویا اسے اپنے اس جُرم کو چھپانے کا کوئی رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ پھاگن کے مہینے میں جب آسمان پر بادلوں کا گذر نہیں تھا۔ تو یہی چور اپنے ہاتھ میں مشعل لئے دیوانہ فلکِ نیلی فام پر پھرا کرتا تھا اور آج اس کی یہ چھپی چھپی مسکراہٹ کی تیز و تند بجلیاں ـــــ طفلِ نوزائیدہ کے مسرت بیز خواب کی طرح ـــــ روٹھے نگار کی پہلی جھلک کی یاد کی طرح ـــــ اندر رانی کے لمبے لمبے سیہ گیر بالوں میں پروئی ہوئی چمک دار موتیوں کی مالا کی طرح ـــــ!"

یہ فقرے تو اس پر برچھیاں برساتے جس کے سینے میں دل ہوتا۔ یہاں تو سینے میں دل نہیں سیاست تھی، جذبات نہیں اقتصادیات کا بھوت تھا۔ یہاں اس نرم شبنم کا اثر ہوتا بھی تو کیسے۔ اور وہ اس اثر کو قبول کرتے بھی تو کیوں؟ اسلئے انہوں نے آتنا ہی پڑھ کر سر جھکا لیا۔ اور چارو کے جذبات کا احترام کرنے کے لئے بولے۔

"خوب لکھا ہے ـــــ لیکن بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ایسے شاعرانہ خیالات کو ٹھیک طور سے سمجھ نہیں سکتا"

چارو نے ایک اکھڑ ادا سے ان کے ہاتھ سے پرچہ چھین لیا اور بولی :-

"آپ سمجھتے کیا ہیں آخر؟"

"دنیادار آدمی ٹھہرا تم جانو۔ میں تو انسان کو سمجھتا ہوں اور بس!"

چارو بولی۔

تو آپ کا خیال ہے ادب انسان سے ہٹ کر غیر انسانی باتوں کی رام کتھا سناتا ہے"

"ادب میں جو لوگ انسان کو گھسیٹنے کی کوشش کرتے ہیں، محض غلطی کرتے ہیں انسان تو مجسم حالت میں ان کے سامنے موجود ہیں۔ ان کے متعلق بھلا صفحے سیاہ کرنے کی ایسی کیا ضرورت ہے؟" اور پھر چارو کی ٹھوڑی پکڑ کر بولے "میں جب تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور میری آنکھیں تمہارے سینے میں اتر سکتی ہیں، تو پھر میگھ نا بدیہہ اور چنڈی داس کو یا کو کس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ وہ مجھے یہ سمجھانے کے لئے کہ چارو کون ہے۔ دھڑا دھڑ روشنائی ضائع کرے"

سچ تو یہ ہے کہ بھوپتی بابو شعر و موسیقی اور نازک و لطیف خیالات کے معاملے میں بالکل ہی کورے تھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے امل کی اس نثر میں شاعری کو جابجا سے پڑھا۔ اسے سراہا اور اس سے ان کے دل میں امل کی عزت و وقعت قائم ہو گئی۔ لیکن پھر بھی وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

"آخر اس واہیات فلک پیمائی سے کچھ حاصل بھی ہے۔ بے معنی طور پر ایسے ایسے خیالات میں آدمی الجھا رہے مطلب کیا ہوا؟ تاہم امل خوب لکھتا ہے ـــ!"

بھوپتی بابو گو شاعری اور ادب لطیف جیسی نازک اصناف سخن سے بے بہرہ تھے،

تاہم وہ ادب نواز ضرور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بنگالی زبان کا مس نہ رکھنے کے باوجود وہ بنگالی کی ہر نئی کتاب خرید لیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی بنگالی لائبریری بہت معقول تھی۔

اس گفتگو کے چند دنوں بعد امل ـــــ جو انگریزی اخبار کے پروف دیکھنے میں بھی بھوپتی بابو کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا ـــــ ہاتھ میں پروف کی کاپیاں پکڑے اندر آ گیا۔ بھوپتی بابو نے اسے دیکھا، تو مسکرا کر بولے۔

" ارے بھئی امل! تم اساڑھ کے چاند اور بھادوں کے لہریں لیتے ہوئے جھالوں کے متعلق جو چاہے لکھو، میں کسی کی آزادی میں مخل ہونا پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ تو بڑی قیامت ہے کہ تمہاری اسی شاعری کی وجہ سے ہماری جان پر آ بنے اور ہماری آزادی پر کلہاڑے چلائے جائیں۔ خواہ مخواہ تمہاری بھابی ہمیں مجبور کرتی ہیں، کہ ہم تمہاری خیال آفرینیاں پڑھا کریں۔ یہ تو بڑا ظلم ہے۔"

اور امل نے ہنس کر کہا۔

" مجھے کیا معلوم تھا کہ بھابی میری ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کی سوچ لیں گی۔ اگر معلوم ہوتا تو کبھی نہ لکھتا۔"

امل جانتا تھا کہ بھوپتی بابو کو ادب سے نام کو بھی لگاؤ نہیں۔ اسلئے وہ کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ادبی کوششیں بھوپتی بابو کی نظروں میں چڑھ کر ایک دائمی مصیبت کا ذریعہ بن جائیں۔ اس لئے جب اسے معلوم ہوا کہ چارو نے اس طرح زبردستی بھوپتی کو مجبور کیا ہے تو اسے افسوس ہوا۔ اسلئے وہ جلد ہی بات کا رنگ بدل گیا۔

بھوپتی تو پہلے ہی سے اس ادبی بحث سے گلو خلاصی کرانا چاہتے تھے۔ امل کو بات بدلتے دیکھ کر جھٹ سے بول اٹھے۔

" اگر تمہاری شادی ہو جائے تو یہ سب جھگڑے مٹ جائیں۔"

لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں یہ احساس بھی تھا کہ آج کل کے لڑکے شاعر ہونے

کے باوجود عمل کی دنیا میں بھی انتہائی سُبک خرام ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں یقین تھا، کہ چارو کوشش کے باوجود اسے اس راستے پہ نہ لائے گی۔ اور آخر ہار کر بولے۔

"ارے بھئی، میں تو اخبار کے اس جھنجھٹ میں کچھ اس طرح پھنسا ہوں کہ دم مارنے کی فرصت نہیں۔ تم تھوڑا بہت وقت نکال کر بھاورج کو پڑھا دیا کرو۔ اس سے اس کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ تمہاری ادبی سرگرمیوں میں برابر کا حصّہ لے سکے۔"

"یہ بات تو ہے ہی۔ بھابی جی اگر ذرا توجہ دیں تو خوب لکھ سکتی ہیں!"

"خیر یہ بات تو نہیں۔" بھوپتی بابو نے ہنس کر کہا۔ "لیکن ایک بات کہنی ہی پڑتی ہے کہ چارو بنگالی زبان اور بنگالی ادب کو خوب سمجھتی ہے۔ کم از کم مجھ سے تو زیادہ سمجھدار ہے اس معاملے میں۔"

"انہیں تو ادب سے فطری مناسبت ہے۔ ایسی مناسبت بہت کم عورتوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔"

"عورتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ ہزاروں مرد اس خوبی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ مجھ ہی کو دیکھ لو نا۔ لیکن خیر، یہ بات تو ہوئی۔ اگر تم انہیں اس طرف مائل کر سکو تو میں تمہیں انعام دوں گا۔"

"کیا انعام؟"

"تمہاری بھابی ایسی لڑکی لا دیں گے تمہیں، جو تمہیں پتی دیو کہہ کر پکارا کرے گی۔"

"بھابی ایسی؟ تو گویا اسے بھی پڑھانا ہوگا مجھے۔ تمام عمر بوڑھے طوطوں کو پڑھانے ہی میں صرف ہو گی کیا؟"

بھوپتی بابو ہنس دئے!

اب امل پہلے کی طرح محض ایک بچّہ ہی نہ تھا۔ بلکہ اب سوسائٹی نے اسکی قدر و قعت پہچان لی تھی۔ رسالوں کے ایڈیٹر اور اداروں کے رُکن اُسے گھیرے رہتے تھے۔ دعوتیں ہوا کرتی تھیں۔ بہت سی سوسائیٹیاں اسے صدر بنانے کے درپے ہو رہی تھیں۔

آج سے پہلے مندا کنی اسے محض ایک شوخ طبیعت لڑکا سمجھتی رہی تھی۔ امل اور چارو کی کوششیں محض بچوں کی سی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن جب امل نے پر و بال نکال کر بیرونی دنیا کو بھی اپنے سائے میں لے لیا۔ اور بیرونی دنیا نے بھی اسے سر آنکھوں پر جگہ دی تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ اب اس کے سامنے امل گومڑے کے درخت کے نیچے بیٹھ کر بھابی کے ہوائی قلعوں کے لئے اینٹ گارا ڈھونڈنے والا مزدور ہی نہ تھا، بلکہ سماج اور سوسائٹی کے آہنی حصار میں ایک با اعتبار اور پختہ کار معمار کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

اس کے علاوہ آج سے پہلے مندا کنی کو ایک بڑی تکلیف اور بھی تھی۔ امل کو پان کھانے کی بہت عادت تھی اور پان بنانے کا سارا بوجھ مندا کنی ہی کے کندھوں پر تھا۔ مندا کنی جانتی تھی، کہ وہ اس گھر میں گھر کی مالکن کی حیثیت سے نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک مہمان کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ امل بھی اس گھر کا کوئی نہیں ہوتا۔ اس کی حالت بھی وہی ہے جو مندا کنی کی ہے۔ اس لئے اس کی خدمت کرنے یا اس کے لئے کوئی کام کرنے میں وہ ذلت محسوس کرتی تھی۔ اور چاہتی تھی، کہ جس طرح بھی ہو امل کا بوجھ ٹلے لیکن قیامت تو یہ تھی کہ امل، چارو کے بہت منہ چڑھا ہوا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ چارو اس کے لئے دیوانی ہو رہی تھی۔ پل بھر کو اپنے سامنے سے ہٹنے نہ دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مندا کنی دل ہی دل میں ناراض ہونے کے باوجود زبان سے ایک لفظ نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن دل کا یہ بخار

کسی نہ کسی طرح ضرور نکلتا تھا۔ اور نہیں تو گھر کے نوکر چاکر ہی اس کے ہمراز بن جاتے۔ اور وہ اُن کے سامنے امل کی بُرائیاں کر کر کے جلے پھپھولے پھوڑا کرتی تھی۔

لیکن دیکھتے ہی دیکھتے امل کچھ سے کچھ ہو گیا۔ کالج کا ایک بے پرواشریر لڑکا گویا کسی جادو کی مدد سے سماج کا ایک باعزت رکن بن گیا تھا۔ اس وقت مندا کنی کو گویا کسی نے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔ امل اب وہ امل نہیں تھا۔ جو کسی کا دست نگر ہو۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود گھر کا مالک ہے۔ اور گھر کی ہر چیز اسی کے اشاروں سے ہوتی ہے۔ ہر ایک کو ڈانٹ دینے کا اسے پورا حق حاصل ہو گیا تھا۔

جس کی دُنیا عزت کرتی ہے اُسے ہر ایک عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ باعزت آدمی کی عزت کرتے وقت دُنیا کا ہر فرد فخر محسوس کرتا ہے جب مندا نے دیکھا کہ امل ہر جگہ سے خراجِ تحسین وصول کر رہا ہے۔ اور جہاں جاتا ہے لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے فرطِ ادب سے جھک جاتی ہیں تو اس نے بھی امل کے بلند سر کی طرف دیکھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے بُشرے سے جلال کا ایک نور ہے کہ چھَن چھَن کر آ رہا ہے۔ مندا کنی عورت تو تھی ہی، اس نور سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور نہ خود بخود غیر شعوری طور پر امل کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ امل بالکل بدل گیا ہے نہ صرف اس کی ذہنی اور دماغی کیفیت ہی۔ بلکہ اس کا ظاہرا حلیہ بھی اتنا بدل چکا ہے، کہ اسے پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ اس نئے جذبۂ عقیدت نے اپنا اظہار کیا۔ اور امل کو پان چُرانے کی زحمت سے نجات دلوا دی۔ اب پان خود بخود امل کے پاس آنے لگے —— عزت کرنے والے ہاتھوں کے لگے ہوئے پان ——!

ظاہرا طور پر مندا کنی کی اس عقیدت سے چارو کو کسی نقصان کا احتمال نہ ہونا چاہئے تھا۔ ایسی معصوم اور بے لاگ محبت کسی متنفس کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن نہ معلوم کیوں چارو کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ مندا کوئی گہری چال چل رہی ہے ——

سازش کا ایسا پیچیدہ جال پھیلا رہی ہے جس سے اس کی تفریح اور دلچسپی کا تار و پود بکھر جائے گا۔

لیکن ـــــ یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ منداکنی کی یہ دلچسپی چارو پر کسی قسم کا اثر ہی نہیں کر رہی تھی۔ چارو اور امل کے درمیان ایک ایسی محبت کا رشتہ استوار ہو گیا تھا کہ چارو امل کے لئے اور امل چارو کے لئے ہو کر رہ گیا تھا۔ امل کی نظروں میں منداکی وہی حقیقت تھی جو ایک راہ گیر کی ہوا کرتی ہے۔ کہ کھوے سے کھوا چھل کر گذر گیا ـــــ کہیں نامعلوم جگہ پر ـــــ لیکن منداکنی یہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی' وہ چاہتی تھی کہ جس طرح ممکن ہو سکے وہ امل کے قریب آ جائے ـــــ اتنی قریب ـــــ ہاں شاید چارو کی جگہ ـــــ اس لئے وہ جب بھی موقعہ پاتی ان دونوں کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرتی۔ اور چارو ـــــ اس بے چاری کو تو اتنا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا کہ وہ منداکنی کی اس فوری تبدیلی پر کوئی رائے زنی کرتی۔

اس لئے اگر چارو یہ سمجھنے لگی تھی کہ منداکنی کی امل کے ساتھ یہ دلچسپی کوئی خاص پہلو لئے ہوئے ہے۔ تو وہ زیادہ غلط نہ تھی۔ اور اگر اس سے اسے تکلیف ہوتی تھی، تب بھی وہ حق بجانب تھی۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ منداکنی کے اس اظہار اُنس نے چارو کے دل پہ خنجر چلا دئے۔ اور وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگی، تو اس میں چارو بے چاری پر گلہ کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ لیکن امل کو منداکنی کے اس پیار میں لطف آنے لگا تھا، اور نہ آنے کی وجہ بھی کوئی نہ تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ایک بے پرواہ عورت آہستہ آہستہ اس کی مقناطیسی قوتوں سے مرعوب ہو کر اس کی طرف کھنچی آتی ہے۔ اس احساس سے کہ اس میں بھی ایک عورت کے دل میں کشش پیدا کر دینے والی چیز موجود ہے، وہ جامے سے باہر ہوا جاتا تھا۔ لیکن وہ اپنی مسرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس لئے جب چارو منداکنی کو دور سے آتا دیکھ کر کہتی "لو ـــــ آئی ؟"

تو امل اس کا دل رکھنے کو کہہ دیتا۔
"اُلٹ دیں گی زخموں پر نمک داں"۔ لیکن اس کے باوجود دل ہی دل میں خوش ہو جاتا۔

چارو اور امل جب تنہا ہوتے تو عادتاً دنیا کے ہر دوسرے آدمی سے انتہائی قلبی نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن منداکنی کی اس دلچسپی نے امل کے دل میں اس نفرت اور ایک عورت کی دلچسپی سے پیدا ہونے والے لطف کے درمیان ایک زلزلہ خیز تصادم پیدا کر دیا۔ اس لئے جب منداکنی یکایک اس کے سامنے آجاتی، اور اسے یہ محسوس ہونے لگتا کہ منداُسی کی کشش سے کھنچ کر یہاں آئی ہے۔ تو وہ اس نفرت کا اظہار کھلے طور پر کرنے سے گھبرا جاتا۔ اور اپنی پوری طاقت لگا کر کہتا۔
"مندا بھابی! کہیئے آپ کے پاؤں کی چوری آج کل کیسی ہو رہی ہے؟"
اور وہ ہنس کر کہتی۔
"جب مانگے ہی سے مل جائے چیز تو بھیّا اُسے چُرائے گا کون؟"
امل بھی مذاق کرتا۔
"نہیں بھابی! چوری کی چیز میں جو مزا ہوتا ہے، وہ ملنگے تانگے کی چیز میں کہاں؟"
منداکنی یہ سُن کر خواہ مخواہ ہنس پڑتی اور موضوع بدلنے کو کہتی۔
"امل بھائی! کچھ پڑھ رہے تھے تم۔ آخر میری صورت میں ایسی کیا بُرائی ہے کہ ادھر تم نے دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ مجھے بھی سُناؤ۔ ہوں تو جاہل ہی۔ لیکن خیر! شوق تو ہے۔"

منداکنی نے آج سے پہلے اس شوق کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی چارو چاہتی تھی کہ امل کے نازک اور لطیف جذبات جنہیں شاعرانہ الفاظ نے ایک مسلسل موسیقی

بنا دیا ہو۔ منداکنی جیسی کور ذوق عورت کی سماعت میں پہنچ کر بے عزت ہو جائیں۔ لیکن امل ایک مصنف کا دل رکھتا تھا۔ اور اسے یہ زعم تھا کہ اس کی تراوشِ فکر پتھر کے جگر میں اتر سکتی ہیں۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ منداکنی اس کی تحریر سے ضرور فیضیاب ہو۔

اس کے علاوہ امل کو منداکی زندگی کا ایک عجیب واقعہ یاد تھا ۔۔۔ اسے خوب یاد تھا کہ ایک دن چارو اور منداکنی تاش کھیلنے میں مصروف تھیں کہ وہ بھی آگیا۔ اس دن اس نے ایک پُر لطف کہانی لکھی تھی، اور چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اور جتنی جلدی بھی ہو سکے۔ وہ اپنا مضمون چارو کو سُنلئے۔ اور تعریف سُنے۔ لیکن کھیل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ ادھر امل مضمون سُنانے کے لئے بے چین تھا، اور اُسے تاش کے پٹ پٹا پٹ گرتے ہوئے پتوں پر ایسا غصہ آرہا تھا کہ جی چاہتا تھا، انہیں پھاڑ کر پھینک دے۔ اور آخر کار جب چارو کو فرصت ملنے کی کوئی امید نظر نہ آئی تو اُسے سخت غصّہ آیا۔ وہ بھنا کر اُٹھا اور بولا۔

"اچھا بھابی جی ۔۔۔ ہم جاتے ہیں، آ کھیل بابو کو سُنائیں گے افسانہ"

چارو نے اس کی دھوتی کا پلّو تھام لیا اور بولی:۔

"لے دم لو ۔۔۔ ابھی!"

اور جلدی سے بازی ہار گئی۔

منداکنی کو جب معلوم ہوا کہ اب تاش نہیں بلکہ پڑھنے پڑھانے کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ تو جھٹ ایک لمبی جمائی لے کر بولی۔

"لو بھئی اب تم پڑھنے پڑھانے لگی ہو تو میں چلی۔ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں اور پھر مجھے نیند بھی تو آرہی ہے"

یہ کہا اور کھیل کے یکایک ختم ہو جانے پر بھناتی ہوئی چلی گئی۔

وہی منداکنی آج امل سے مضمون سُنانے کو کہہ رہی تھی۔ اور مضمون بھی کوئی

عامیانہ نہیں تھا۔ بلکہ "کملا کانت کا دفتر" پر ایک تنقید تھی۔ عالمانہ، مزاحیہ اور گہری طنز ملئے ہوئے۔ اس پر بھی اگر چارو نہ بگڑتی تو کیا ہوتا۔ اس لئے جب اس نے مند اکنی کے منہ سے سُنا تو جھٹ بول اُٹھی :۔

"امل نے تو "کملا کانت کا دفتر" پر تنقید لکھی ہے۔ وہ بھی ____"

"ارے بھئی ہوں تو میں جاہل، مانتی ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو سمجھ میں آہی جائیگا"۔

اور امل نے تعریف کے لالچ میں باچھیں پھیلا کر کہا۔

"ارے واہ مندا بھابی! آپ بھی تنقید سُنیں گی۔ زہے نصیب صاحب!"

یہ کہا۔ اور ورق اُلٹ دیا۔ یہ درست ہے کہ وہ ورق پڑھ چکا تھا لیکن شروع ہی کے چند فقرے دل میں اُتر جانے والے تھے۔ اور امل کو ان فقروں پر ناز تھا۔ اسلئے ایک نئے مداح کے سامنے وہ اپنی اس کوشش کو پیش کرنے سے نہ رُک سکا۔ جہاں اس کی طبیعت نے پورا زور مارا تھا۔

لیکن ابھی ایک فقرہ پورا نہیں ہوا تھا کہ چارو نے ٹوک دیا۔

"دیور بھیّا! تم نے کہا تھا نا' بنگالی لائبریری سے رسالے لا دوگے ہیں"۔

"آج کا وعدہ تو نہیں کیا تھا!"

"اونہہ ___ آج کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ ___ اتنی جلدی بھول گئے۔"

"بھولا تو نہیں ___ آخر آپ کا حکم تھا یہ!"

"بس بس زیادہ باتیں کیوں بناتے ہو۔ صاف جو کہدو کہ نہیں لاؤگے۔ اچھا تو تم پڑھو ___ میں جاتی ہوں، ہریش کو بھیج کر منگوالوں گی رسالے۔ سب کام تم ہی تھوڑی کرتے ہو!"

یہ کہا اور چارو اُٹھ کر چلی گئی۔

امل حیران رہ گیا۔ کیا آفت تھی یہ۔ مند اکنی کی دلچسپی کے بدلے اسے ایک جگری

دوست کو ناراض کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ منداکنی کو بھی یہ بات زہر بجھے تیر کی طرح لگی اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ جب چارو کے چلے جانے پر اہل نے بھی جانے کے لئے ہاتھ پیر کھولے۔ تو منداکنی نے مسکرا کر کہا۔

"جاؤ بھیا ——ان کی بات رہ جائے۔ اگر تم نے مجھے کہیں سُنا دیا' تو مصیبت ہی آجائے گی"

اس تیر اسوار تیر نے اہل کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ اب وہ اُٹھ کر جائے تو کہاں؟ اور چلے تو کیسے؟ اس سلئے بولا۔

"واہ —— مصیبت کی کیا بات ہے اس میں بھلا۔ آپ سلئے۔ ہم سُنائیں گے آپ کو!"

لیکن منداکنی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کاغذ کو چھپا دیا اور بولی۔

"نہیں بھائی —— میں نہ سُنوں گی"

اہل نے حیرت سے منداکنی کی طرف دیکھا' صاف نظر آرہا تھا —— کہ منداکنی آنسو پی کر رہ گئی ہے۔

۵

چارو کی سہیلیاں تھیں۔ اور وہ ہفتے میں ایک آدھ دفعہ ضرور دعوت میں شریک ہوا کرتی تھی۔ لیکن منداکنی کا کون تھا۔ وہ گھر کے لئے تھی اور گھر اس کے لئے۔ آج بھی حسب معمول چارو دعوت پہ تھی۔ اور منداکنی گھر بیٹھی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔

امل ہنستا ہوا آیا اور سیدھا مندا کنی کے کمرے میں آگیا۔
مندا نے ہنستے ہوئے کہا۔
"آہا! امل بابو ہیں، براجئے جناب براجئے! لیکن اوئی" میں بھولی "آپ تو کسی اور کے لئے آئے ہوں گے۔ ہائے ہائے دیوتا بھی کتنے کٹھور ہوتے ہیں امل بھیا! آسئے بتیے تم کس کے لئے اور جیپٹ گیا تمہیں کون!"
"ارے بھابی!" امل نے خفت کو چھپانے کے لئے مسکراہٹ کا پردہ تان دیا۔ "جانور کو تو چارے سے غرض ہے۔ وہ مالک دے یا کوئی چور۔ اس کو تو پیٹ بھرنے سے کام ہے۔"
یہ کہہ کر وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اور چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔
"مندا بھابی! کچھ کہئے تو۔ اپنے یہاں کا کوئی قصہ ہی سنا دیجئے۔"
بات یہ تھی کہ امل کو ہر وقت افسانوں کے لئے پلاٹ کی ضرورت رہا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر دلچسپ یا غیر دلچسپ آدمی کی گفتگو بڑے انہماک سے سنا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ مندا کنی اب تک ایک اسرار بنی رہی تھی ——— اتنا گہرا کہ امل کی شاعرانہ قوتیں کوشش کر کر کے تھک گئیں۔ اور اس کا بھید نہ لے سکیں۔ آج جو اسے موقعہ ملا، تو یہ قدرتی سوال تھا جو اس کے ہونٹوں سے لڑھک پڑا۔
ادھر مندا کنی بھی اپنے حالات بیان کرنے کے لئے کم بے تاب نہ تھی۔ اس کا گھر بار اس کی بچپن کی بھولی سی زندگی، پھر شادی، یہ سب باتیں اسی کے سینے میں دفن تھیں اور آج تک کوئی ایسا ہمدرد نہیں ملا تھا جس نے اس سے اس کی زندگی کے متعلق استفسار کیا ہو۔ آج امل نے پہلی دفعہ اس زنگ خوردہ تار پر مضراب لگائی، اور یہ تار ایک بے تاب جھنجھناہٹ کے ساتھ لرز اٹھا ——— مندا کنی کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ اور وہ پکے ہوئے پھوڑے کی طرح بہہ نکلی۔ مندا کنی کو اس طوالت کا احساس

تھا۔ اس لئے وہ کہتے کہتے رُک جاتی اور بطور معذرت کے کہہ دیتی۔
" دکھ کی کہانی لمبی ہوتی ہے امل بھیا۔ اس کا ٹھکانہ نہیں ہوتا "
اور امل جو حقیقتاً اس کی زندگی میں دلچسپی لے رہا تھا کہتا۔
" نہیں نہیں بھابی! کہتی رہو۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں — میں اس کی لہروں میں ڈوبتا جا رہا ہوں " اور حقیقت بھی یہی تھی۔
مندا کنی نے ایک واقعہ سُنایا۔ گویا المیہ میں ایک مزاحیہ فقرہ کہہ کر اس کی ہیبت ناکیوں کو کم کرنے کی کوشش کی۔ واقعہ یہ تھا کہ مندا کے باپ کا ایک گماشتہ تھا قدرت نے اسے ایک ہی آنکھ سے دنیا دیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ اور دوسری آنکھ دینا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ یہ گماشتہ صاحب انتہا درجے کے ضدی اور جھگڑالو آدمی تھے۔ اس پر ایسے کو تیسا ملا کر ان کی بیوی بھی وہ آئی جس کے مُنہ میں ہاتھ بھر کی زبان تھی زبان کاہے کی، چھُری سمجھئے۔ اِن میاں بیوی میں آئے دن جھگڑے ہوا کرتے تھے، اور جھگڑے بھی ایسے کہ گاؤں بھر میں زلزلہ پڑ جایا کرتا تھا۔ اسی لڑائی کی وجہ سے ان گماشتے صاحب کو بھوک ہڑتال کرنی پڑتی تھی۔ ایک دن ان میاں بیوی میں بڑے ٹھسے کی لڑائی ہوئی اور گماشتے نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ دو ایک دن تو اسی طرح بیت گئے لیکن جب بھوک کی چنگاری نے شعلۂ جوالہ کی شکل اختیار کی اور ان کے قلب جگر کو جلا کر خاک کرنے لگی تو یہ تنگ آ گئے۔ چھپ چھپا کر بھاگے ہوئے مندا کے پاس آئے۔ اس سے کچھ کھانے کو لیا۔ اور مزے سے بیٹھ گئے کھانے کو۔ قدرت ستم ظریف تو ہوتی ہی ہے، آگ لگا کر تماشہ دیکھتی ہے۔ لالہ کھانا کھا رہے تھے کہ ان کی دھرم پتنی نازل ہو گئیں۔ بس پھر کیا تھا، وہ نوک جھونک ہوئی کہ زمانہ نے دیکھا اور دنیا ہنسی۔
یہ واقعہ بیان کیا جا رہا تھا ایک عورت کی زبان سے۔ اور کان سُن رہے تھے ایک مرد کے، جو افسانوں کی تلاش میں ہو۔ امل اس واقعہ کی دلچسپیوں میں کھو گیا تھا،

کہ یکایک چارو کمرے میں داخل ہوئی اور ـــــ

مجلس درہم برہم ہو کر رہ گئی ۔ مندا کنی گویا سناٹے میں آ گئی ۔ مانو اسے کسی نے چوری کرتے پکڑ لیا ہے ۔ انل کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ سوتے میں جھنجھوڑ دیا گیا ہے ۔ لیکن انل آخر مرد تھا ۔ اس نے جھٹ اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا ۔

" اتنی جلدی آ گئیں بھابی جی ! "

چارو نے غصے کی تیز نظروں سے انل کی طرف دیکھا ۔ اور طنز کے زہر میں بجھے ہوئے لفظ اس کے سینے میں گاڑ دئے ۔ بولی ۔

" جی ہاں مجھے افسوس ہے ـــــ میں جاتی ہوں "

یہ کہا اور جانے کو مڑی ۔

انل نے کہا " اچھا ہی ہوا جو آپ آ گئیں ۔ میں آپ کی راہ ہی دیکھ رہا تھا ۔ آج اس ادیب اعظم منمتھ دت کی ایک لاجواب اور بالکل نئی تصنیف خاص آپ کے سنانے کو لایا ہوں مجھے امید ہے آپ اس سے بہت محظوظ ہوں گی "

" اس وقت رہنے دو " چارو نے ناک بھوں چڑھا کر کہا " مجھے کام ہے "

" اوہ ! ایسا بھی کام کیا ہوگا ، کہ اس پر ایک فلسفی کی تعلیمات کو قربان کر دیا جائے " انل نے ہنس کر کہا " کام مجھے بتائیے ۔ یہ غلام جو حاضر ہے "

چارو جانتی تھی کہ انل ' منمتھ کی کتاب خرید کر لائے گا ۔ اسے سنائے گا ۔ اور وہ اسے دق کرنے کے لئے اس کی خوب خوب تعریف کرے گی ۔ چوٹیں ہوں گی ـــــ بلکہ چوچلیں ہوں گی ۔ اور وقت لطف سے کٹ جائے گا ۔ اسی وجہ سے وہ دعوت کے ختم ہونے سے پہلے ہی علالت کا بہانہ کر کے چلی آئی تھی ۔

لیکن یہاں تو بات ہی اور تھی ۔ مندا کنی کی بے حیائی اپنے پورے جلال پر تھی ۔ نوجوان لڑکے کے ساتھ اس طرح باتیں کرنا اور پھر بات بات پر دانت نکالنا ـــــ

ارے رام رام ۔ کلجگ جو ہوا ۔ اگر لوگ دیکھیں ، تو کیا کہیں ۔ اس میں مندا کنی کی تو ایسی بے عزتی نہیں تھی ۔ ناک کٹے گی تو چارو کی ۔ بے عزتی ہوگی تو بھوپتی بابو کی ' اس کی پیزار کو ۔ لیکن ـــ اس کے باوجود چارو صاف لفظوں میں مندا کنی کی کسی حرکت پر حرف گیری بھی تو نہیں کر سکتی تھی ۔ اگر اس نے اسے یہی طعنہ دے دیا کہ وہ خود امل کے ساتھ گھنٹوں تنہائی میں رہا کرتی ہے ۔ تب کیا ہوگا ـــ کون روکے گا اسکی زبان ـــ

لیکن امل اور چارو کے درمیان جو رشتہ قائم ہوگیا تھا ۔ وہ مندا اور امل کے درمیان قیامت تک نہیں ہوسکتا تھا ۔ امل چارو کو پڑھاتا تھا ـــ ایک بات ! چارو کو ادب سے اچھی واقفیت ہوگئی تھی اس لئے وہ امل کا دل بڑھایا کرتی تھی ـــ دوسری بات ـــ اور مندا کنی ـــ وہ بے چاری کیا جانے ادب کو ' اور اسے کیا معلوم علم کسے کہتے ہیں ۔ وہ بیل کی طرح سیدھی سادی بیوقوف سی عورت ' اس کا اور چارو کا بھلا مقابلہ کیا ؟ اور اگر مندا کنی کو ادب سے دلچسپی نہیں تھی ۔ اگر اسے شعریت اور علم سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا ۔ تو کیا وجہ تھی کہ وہ خواہ مخواہ امل کی طرف کھنچی پڑتی ہے ۔ ـــ امل ایک سادہ لوح نوجوان لڑکا ـــ کیا امل کی جوانی مندا کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے ؟ ـــ اُف پرماتما !

امل کو بچانا ـــ ایک عورت کی پیچیدہ چالوں سے اسے محفوظ رکھنا چارو کا فرض تھا ' اور وہ اس فرض کو پورا کرے گی ۔ لیکن کس طرح ـــ کیونکر ـــ ؟ اگر امل کو بھانے بھانے سے اس کی طبیعت نے کسی غلط طرف رُخ کر لیا ۔ تب ـــ تب کیا ہوگا میرے معبود ؟

اور بھوپتی دادا ـــ انہیں تو دنیا میں اخبار کے سوا اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ۔ مانو اخبار ہی ان کا اوڑھنا ، بچھونا اور کھانا پینا ہے ۔ وہ بالکل بے فکر ہیں ۔ مندا کنی پر انہیں پورا بھروسہ ہے ۔ لیکن مندا کنی ان کے اس بھروسے اور اس بشواش

کا کتنا ناجائز فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ کتنا غلط استعمال کر رہی ہے ان کے بھولے پن کا۔
لیکن چارو تو آنکھوں سے دیکھ کر یہ مکھی نہیں نگل سکتی۔ وہ کیسے برداشت کر سکے گی، کہ
اسکا بھولا دلور مندا کنی کی چالوں میں پھنس کر دنیا اور آخرت کو برباد کر بیٹھے۔

اس سے پہلے امل کے دل میں میل نام کو بھی نہیں تھا۔ وہ بھولا بھالا آدمی تھا۔
اسے دنیا کی خبر نہ تھی۔ یہ چارو ہی کی غلطی تھی۔ اسی نے اسے ادب سے روشناس کیا۔
اسے لکھنے کی عادت ڈالی۔ اب اس کے ہزاروں مداح ہیں۔ لوگ اس کی تحریر پڑھتے
ہیں۔ اس کے جذبات کی گہرائیوں میں ایک غیر فانی حقیقت پاتے ہیں۔ اور جھوم جھوم
جاتے ہیں۔ اب اسے داد حاصل کرنے کی چاٹ لگ گئی ہے۔ وہ چشمہ جو پہلے بند تھا سالے
بند توڑ پھوڑ کر پھوٹ نکلا ہے۔ اور اس کی ہزاروں شاخیں اٹکھیلیاں کر رہی ہیں۔
سارے چمن میں! وہ اب کہاں کہاں بند کرنے کی کوشش کرے گی ـــ کس کس کی
زبان پکڑے گی؟

چارو کو اب یقین ہو گیا تھا کہ امل اس کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ اب امل
پر چارو کا کوئی زور نہیں تھا۔ کمان سے تیر نکل چکا تھا۔ واپس آئے بھی تو کیسے؟ خود
کردہ را علاجے نیست، اس نے خود ہی اسے اس راستے پر لگا دیا تھا۔ جس کا انجام ہے
پھیلاؤ ـــ بے انت، بے کنار پھیلاؤ ـــ ایسا عالمگیر پھیلاؤ، جس میں چارو محض
ایک بے سہارا تنکا تھی۔ جو اس کی شوکت و عظمت کے سیلاب میں بہہ رہی تھی۔ بے یار و
مددگار ـــ ہاتھ پاؤں ہلانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ امل ایک مصنف تھا اور چارو اس کی
ایک مداح ـــ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں!

لیکن سادہ لوح امل اور مایا وتی مندا کنی ـــ زہریلی ناگن نے شکار پر اپنی
آنکھوں کا جادو ڈال دیا تھا!

۶

اساڑھ کے بادل جھوم کر اُٹھے - اور آن کی آن میں سارے آسمان پر گھر گئے سارے کمرے پر ایک ہلکی سی ٹھنڈی ٹھنڈی تاریکی مسلط تھی اور چارو کھڑکی کے قریب تنہا بیٹھی تھی -

امل دبے پاؤں آہستہ آہستہ کمرے میں آیا - اور خاموشی سے چارو کی پشت کی طرف کھڑا ہو گیا - چارو کو معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ وہ کب آیا ہے اور کیسے آیا ہے - چارو ہلکی ہلکی روشنی کی مدد سے بیٹھی لکھ رہی تھی - وہ اپنے خیال میں بالکل کھوئی ہوئی تھی. امل دیر تک کھڑا اس کی تحریر پڑھتا رہا - چارو کی چارپائی پر امل کے دو چار شائع شدہ مضمون پڑے تھے - اور چارو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد انہیں اٹھا کر پڑھ لیتی تھی - گویا انہیں کو سامنے رکھ کر وہ اپنے دل کا بخار نکال رہی تھی -

چند لمحوں کے سکوت کے بعد امل چُپ نہ رہ سکا اور بولا -

" تو پھر یہ کہنے سے کیا حاصل، کہ آپ کو لکھنا نہیں آتا ' آپ تو خوب لکھتی ہیں "

چارو چونک پڑی اور گھوم کر امل کی طرف دیکھنے لگی -

" یہ چوری کب سے سیکھی تم نے ؟ بہت بری بات ہے ! "

" کیا بُری بات ہے ؟ "

" یہی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں پڑھنا ! "

" تو آپ چھپ چھپ کر لکھتی کیوں ہیں ؟ اپنے جوہروں کو ظاہر ہونے کا موقعہ کیوں نہیں دیتیں ؟ "

چارو نے ہاتھ بڑھایا - تاکہ لکھا ہوا کاغذ رجسٹر سے پھاڑ کر پھینک دے - لیکن امل نے لپک کر رجسٹر پکڑ لیا - چارو جھنجھلا کر بولی -

" اگر تم نے یہ پڑھ لیا تو میں کبھی نہ بولوں گی "
" اگر آپ نے پڑھنے سے روکا مجھے تو میں جنم جنم کے لئے اپنی زبان سی لونگا "
" نہیں بھئی امل بھیا! تمہیں ہمارے سر ہی کی قسم! جو اسے پڑھو۔ ہمارا خون پیو "
اب تو امل میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اتنی بڑی قسم کے باوجود ان اوراق پر نظر بھی ڈالے۔ اس لئے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

لیکن چارو کا دل تو امل سے اس سارے راز کو کہہ دینے کے لئے پھٹا پڑتا تھا وہ چاہتی تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے امل اس کی تحریر پڑھے۔ اسے یقین تھا کہ امل اُسے پسند کرے گا۔ اور خوب خوب داد دے گا۔ لیکن جب امل نے پڑھنے کے لئے رجسٹر چھینا تو چارو کے ہاتھ پاؤں پر گویا رعشہ گر پڑا۔ اس کی رگوں کا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ امل جیسے جلیل القدر ادیب کے سامنے وہ بے چاری تھی ہی کس باغ کی مُولی۔ اور آفتاب کو چراغ دکھاتا بھی کون احمق ہے۔ اس کے علاوہ ایک پُر اسرار حجاب تھا، شرم کا ایک عجیب وہ غلا جذبہ تھا۔ جو اس کی نس نس میں برف بن کر سرایت کر گیا۔ اور وہ امل کی آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کے لئے بے تاب ہو گئی۔ اور پھر — چند لمحوں کے بعد وہ یکا یک اُٹھی۔

" پان بنا لاؤں " وہ بولی۔ اور لپک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

چارو کی غیر حاضری میں مضمون پڑھ لینا کوئی بُرا فعل نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس سر اس زبردست سوگند پر کوئی اثر پڑتا تھا۔ اس لئے امل نے اوّل سے آخر تک انتہائی اطمینان کے ساتھ وہ مضمون پڑھا۔ مضمون واقعی اچھا تھا۔ اس لئے وہ لپکا ہوا بھابی کے پاس پہنچا اور بولا

" آپ تو خوب لکھتی ہیں، بہت اچھا مضمون ہے "
چارو پان دینا بھول گئی۔ خوشی میں آ کر بولی۔

" زیادہ نہ بناؤ امل بھیا! ہمیں رجسٹر دے دو ہمارا "

" نہیں بھابی! اس وقت تو نہ دوں گا' رجسٹر نقل کر لوں' پھر دے دوں گا۔ مضمون کا رسالے میں جانا بہت ضروری ہے "

" اے واہ! رسالے میں بھلا کیا دو گے۔ یہ بکواس! یہ نہ ہونے دوں گی میں۔ لوگوں سے بھی مذاق کراؤ گے مجھے! "

چارو نے ادھر نہ نہ کا ادودھم مچایا۔ اُدھر امل نے اصرار کیا۔ قسمیں کھائیں' اور اسے یقین دلا دیا کہ یہ مضمون حقیقتاً اس قابل ہے کہ اسے کسی اعلیٰ پایہ کے ادبی پرچے میں شائع کرا دیا جائے۔

آخر چارو تنگ آ گئی اور تھک کر بولی۔

" تم تو ازل سے ضدی ہو' کسی کی مانو گے تھوڑی۔ جس بات کے پیچھے ہوئے۔ اسے اخیر تک پہنچا کر چھوڑتا۔

امل بولا۔

" دادا کو ایک بار دکھانا ہو گا "

" ہائے رام" چارو نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: " یہ غضب نہ کر دینا کہیں۔ اگر تم نے ان سے میرے لکھنے کے متعلق کچھ بھی کہا۔ تو میں پھر عمر بھر ایک حرف نہ لکھ پاؤں گی! "

" آپ تو بچوں کی سی باتیں کرتی ہیں بھابی' دادا خواہ منہ سے کچھ ہی کہیں دل میں تو چاہتے ہیں کہ آپ بھی کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں "

چارو نے مضمون لکھنے کے لئے جب قلم اُٹھایا تھا تو یہ عہد کر لیا تھا کہ امل کی نظروں سے چھپا کر لکھے گی۔ اور اس کے بعد ایک دن یکایک اسے دکھا کر حیرت میں ڈال دے گی۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ اس میں اور مندا کنی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ امل کو یقین آ جائے گا کہ چارو ندی کی طرح رواں دواں اور مندا پتھر کی طرح

جامد و ساکت ۔ اس فرق سے اس کے دل میں قدرتی طور پر منا کے خلاف ایک نفرت سی پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ اس کے فریب کے جال کو کاٹ کر پھینک دے گا۔ اسی کوشش میں اس نے کئی راتیں اور کئی دن ضائع کئے۔ صفحوں کے صفحے سیاہ کئے اور پھاڑ کر پھینک دئے۔ اسے حیرت تھی کہ اس کی ہر کوشش امل کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے۔ امل کے طرز تحریر کا اثر اس پر اتنا گہرا ہوا تھا، اور اس کی بندشیں اسے اس طرح زبانی یاد ہو گئی تھیں، کہ جب وہ لکھنے بیٹھتی تو فقروں کے فقرے اور پیروں کے پیرے ویسے ہی لکھ جاتی۔ وہی الفاظ، وہی خیال، وہی بندشیں اور وہی طرز تحریر۔ سرِمو فرق نہ ہوتا۔ اس لئے وہ یہ سوچ لیا کرتی کہ اگر اس نے اپنی یہ تحریریں امل کو دکھائیں تو وہ زبان سے تو کچھ نہیں کہے گا، تاہم دل ہی دل میں ہنسے گا اور کہے گا ؎

چہ دلاور ست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

میری چیز اور اسے چرا کر مجھ ہی سے اس کی داد بھی مانگی جا رہی ہے۔ اس لئے وہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے تالاب میں پھینک دیتی۔ تا کہ اس کا کوئی ٹکڑا بھی امل کے ہاتھ نہ لگے۔

پہلے اس نے "ساون کا بادل" کے عنوان سے ایک خوبصورت مضمون لکھا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ اس میں بڑے بڑے شاعرانہ اور رنگین خیال پیدا کر سکے گی۔ اور وہ تھی بھی سچی۔ ساون کے اُمنڈتے ہوئے بادل حقیقتاً بڑے وجد آور اور خیال آفریں ہوا کرتے ہیں۔ مضمون خاصہ تھا۔ لیکن ایک بڑی قباحت تھی۔ اس میں اور امل کے "اساڑھ کا چاند" میں رتی برابر فرق نہیں تھا۔ امل نے لکھا تھا: "چندا ماموں! بادلوں کی اوٹ میں تم یوں چوری چوری کیوں گھوم رہے ہو" اور چاروا نے لکھا تھا "سکھی کدمبنی! کہاں سے اس طرح آتی ہو اور آسمان کی نیلگوں چھت کو اپنے آنچل سے ڈھانپ لیتی ہو۔" یہ بالکل امل ہی کا خیال اور اسی کا "تتبع" تھا اور چاروا چاہتی تھی

کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے وہ اس کے مقررہ دائرے سے نکل کر اپنے لئے ایک نیا راستہ پیدا کرے۔ اور اس میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے۔

جو ئندہ یابندہ۔ چاروکوشش کرتی رہی۔ اور آخر اس کی کوششوں کو کامیابی نے نوازا۔ اور وہ ایک نئے طرز کا مضمون لکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ مضمون کا عنوان تھا "سنّاٹے ہیں"

امل الیبا شاعرانہ عنوان پڑھ کر پھڑک اٹھا۔ سنّاٹا ہُو کا عالم، جس میں رومان اور شعریت کی گھٹی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ حقیقتاً کتنا رومان آفریں اور قیامت انگیز ہو سکتا ہے۔ یہ وہی شخص جان سکتا ہے جس نے اپنے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر لانے کے لئے خون پانی ایک کیا ہو۔ امل نے یہ عنوان پڑھا اور دل تھام کر بیٹھ گیا چارو نے ایسا عنوان کہاں سے نکالا ہے۔ اور اسے یہ دور کی کیسے سوجھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور پھر اس سنّاٹے کے ساتھ جس خیال کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ تو لاجواب تھا۔ گاؤں کی عسرت زدہ آبادی، چھوٹے چھوٹے پست گھروندے، چھپر اور جھونپڑیاں، ان گھروندوں، چھپروں اور جھونپڑوں میں رینگتی ہوئی سنسناتی ہوئی اور ڈستی ہوئی غریبی، بھوک اور موت ـــ یہ سب پس منظر تھا اور اس پس منظر پر ایک پرانا، ٹوٹا پھوٹا مندر جس کی شکستہ دیواریں جیسے تھے منہ پھاڑ پھاڑ کر لپکتے ہوئے بھوتوں کے۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی فضا میں مقدس بھجنوں کی وہ روحیں تیر رہی ہیں۔ جو آج سے تقریباً ایک صدی قبل اس کی دیواروں میں گونجا کرتے تھے ـــ اور یہ مندر کالی ماتا کا مندر تھا . . . موت کا مندر! ـــ اس مندر کے خاموش سائے میں ایک خاموش تالاب تھا جس کا پانی سالہا سال سے بے حس و حرکت رہنے کی وجہ سے سبز اور بدبودار ہو گیا تھا۔ یہاں جیسے بھیانک خاموشی اور ہیبت ناک سناٹے میں ایک چھوٹی سی لڑکی

— خود چارو — اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھی ۔ اور اسی آنکھ مچولی کے گرد ایک ایسا سنسنی خیز افسانہ بُن دیا گیا تھا کہ امل مبہوت ہو کر رہ گیا۔

ایک تو اس کا عنوان، اس پر آغاز کے چند پھڑکتے فقرے ایسے تھے کہ امل کے سینے میں اُتر گئے۔ اور اس نے ارادہ کر لیا کہ جو ہو سو ہو، اس مضمون کا شائع ہو جانا ضروری ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آخری فقروں میں مبتدیانہ خامیاں نمایاں طور پر ظاہر ہو گئی تھیں۔ لیکن پہلا مضمون تھا، اور مضمون نگار کی حوصلہ افزائی کرنا ہر ادب نواز کا فرض تھا۔ اس لیے امل چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو، جلد از جلد اس مضمون کو شائع کروا دیا جائے۔

جب امل نے مضمون چھین لیا، تو چارو بے بس ہو کر بولی —

"امل بابو ایک بات کہوں جو مانو!"

"ہاں ہاں بھابی! بھلا آپ کہیں اور میں نہ مانوں، یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے۔"

"ہم دونوں مل کر ایک رسالہ نکال لیں۔"

"اوہ ہو — خیالی پلاؤ پکایا کرتی ہیں بھابی ہماری بھی! روپیہ کافی ہونا چاہیے جناب عالی رسالے کے لیے۔"

"تم پہلے سُن لیا کرو امل! پھر اعتراض کیا کرو۔ ہمارے رسالے کے لیے روپے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے تو چھپانے کی ضرورت ہی نہیں، روپیہ کہاں خرچ ہوگا۔ ہم خود ہی اپنے ہاتھ سے لکھ لیا کریں گے۔ اس میں ہمارے سوا کوئی نہیں لکھے گا۔ اور اس رسالے کی صرف دو کاپیاں شائع ہوا کریں گی۔ ایک ہمارے لیے اور ایک تمہارے لیے۔ کسی دوسرے کو پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔"

اگر آج سے چند دن قبل یہ تجویز پیش کی جاتی، تو امل مارے خوشی کے دیوانوں کی طرح اچھل پڑتا۔ لیکن اب اس کا احاطۂ خیال وسیع ہو گیا تھا۔ اس کی تمنائیں اوج

پڑھتیں۔ اور جب تک اس کی تحریر پہ تمام بنگلی داں لوگ واہ واہ دیتے، ایسے تسکین ہی نہ ہوتی۔ تاہم چارو کا دل بھی رکھنا تھا، بولا۔

"تجویز تو بڑی معقول ہے، کر گزریں"۔

چارو نے ایک اور داؤ پھینکا۔

"لیکن ایک شرط بڑی سنگین ہے۔ میرے رسالے کے علاوہ تمہیں اور کہیں نہیں لکھنا ہوگا۔ یہ حلفیہ اقرار نامہ ہوگا"۔

امل بھونچکا سا ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کی بھابی اُسے کس طرف لے جانا چاہتی ہے۔ وہ بولا:-

"لیکن اس طرح تو بھابی ان رسالوں کے ایڈیٹر قیامت لے آئیں گے"

"میرا رسالہ ہی ایسا نکلتا ہے کہ جس کا ایڈیٹر قیامت نہیں اُٹھا سکے گا۔ میں خود قیامت لے آؤں گی"

اس کے بعد ایڈیٹر، مضمون نگار اور پڑھنے والوں کا ایک عظیم الشان اور فقید المثال جلسہ ہوا۔ کبھی چارو پردھان بنتی اور کبھی امل کبھی امل سکریٹری کے فرائض انجام دیتا اور کبھی چارو۔ کبھی چارو مقرر بنتی اور امل سنتا اور کبھی امل مقررانہ قابلیتیں کا اظہار کرتا اور چارو کان دھر کے ہر بات سنتی۔ آخر بڑی بحث و تمحیص کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ اس پرچے کا نام "امل" رکھا جائے۔ سب نے منظور کیا۔ اور پرچے کا اعلان کر دیا گیا

اب چارو کا تمام رنج و غم یک لخت مٹ گیا۔ وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سراپا مستعد بن گئی۔ اسے یقین تھا کہ یہ ایک ایسا سنگین حصار ہے جس میں منداکنی اپنی فریب بازیوں اور ریشہ دوانیوں کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتی —— اور —— ہاں باہر کے لوگوں کا بھی راستہ بند ہو جائے گا۔ وہ بھی امل تک نہ پہنچ پائیں گے۔

---

(۷)

پھول جب کھلتا ہے تو اس کی خوشبو سے باغ کا کونا کونا مہک اُٹھتا ہے اور مالی اسے لاکھ پردوں میں بھی چھپا کر کیوں نہ رکھے، خوشبو ہی پھول کی چغلی کھا دیتی ہے۔ چارو کے خیالات دماغ سے کاغذ پر آ گئے۔ بند کلی کی پتیاں مسکرا دیں۔ اور پھول بن گیا۔ چارو کسی طرح بھی پسند نہیں کرتی تھی، کہ اس کی یہ صلاحیت اٹل بابو کے سوا کسی اور کو معلوم ہو جائے۔ لیکن ایک دن پھوپی بابو نے خلاف معمول مسکراتے ہوئے آ کر کہا۔

"چارو! تم اتنا اچھا لکھنے لگو گی، اس سے پہلے تو یہ بات ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی تھی۔"

چارو چونک اُٹھی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور وہ گھبرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔

"میں لکھتی ہوں؟ آپ سے کس نے کہا؟ مجھے تو قلم پکڑنا بھی نہیں آتا۔"

"بس رہنے دو۔!" پھوپی بولے۔ "اب ہمارا بنانا ذرا مشکل کام ہے۔ چور عین موقعہ پر پکڑا گیا ہے صاحب! ثبوت قاطع موجود ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے جیب میں سے ایک ماہوار رسالہ نکال کر کھولا۔ اور چارو کا وہ مضمون جو اس نے خاص اپنے رسالہ "اطلا" کے لئے لکھا تھا، اس کا مُنہ چڑاتا ہوا نظر آیا۔ وہ خزانہ جس کو دوسروں کی نظروں سے چُھپانے کا اہتمام چارو خاص طور سے کیا کرتی تھی، آج گھر کے بھیدی کے ہاتھوں لنکا کی طرح لُٹ گیا تھا۔۔۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ پرند جسے اس نے بڑی محبت سے پال پوس کر بڑا کیا تھا، اور جس کے لئے اس کے دل کی ساری دُنیا وقف ہو چکی تھی، کسی نامعلوم طریق سے پنجرے کی تیلیاں توڑ کر اُڑ گیا ہے۔ لیکن پھوپی کو اس کے جذبات اور اس کے خیالات کا کیوں پتہ چلتا۔ وہ تو اسے خوش کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے "وشو بندھو" نامی ماہنامہ نکال کر

اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"اور یہ دیکھو ۔۔۔ تمہاری تعریفیں ہو رہی ہیں"

لیکن یہی ایک خیال، کہ اس کی تمناؤں کا پوشیدہ خزانہ آج سرِ عام رسوا ہو رہا ہے، چارو کو رہ رہ کر پریشان کر رہا تھا۔ وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح بن گئی تھی۔ جس کی گود سے اس کا چھوٹا بچہ چھین لیا گیا ہو۔ اس لئے اس نے ماتھے پر بل ڈال کر وہ ماہنامہ بھوپتی بابو کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ اور اسے دور پھینک کر دی۔

"آپ ہی پڑھیے۔ میں تو اسے چولھے میں بھی نہیں ڈالتی!"

بھوپتی مسکرا دئے۔ ان کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ چارو اپنی تعریف سُن کر شرما رہی ہے۔ تعریف سننے کی وہ عادی جو نہیں۔ اس لئے ہنستے ہوئے رسالے کی طرف بڑھے، اور اسے اُٹھا کر پھر اس کے سامنے لے آئے۔

"تم دیکھو تو سہی ۔۔۔ یہ مضمون "عہدِ جدید میں بنگالی ادب"۔ میں کہتا ہوں لکھنے والے نے قلم توڑ دیا ہے۔ اور تمہاری تو وہ تعریف کی ہے کہ بس حد ہو گئی ۔۔۔ لو دیکھو"

پرچہ زبردستی اس کی بصارت پر ٹھونسا جا رہا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی سی آنکھوں کے ساتھ دم سادھ کر مضمون پڑھا۔ نقاد نے بنگالی زبان کے نئے ادیبوں پر خوب دل کھول کر پھبتیاں اُڑائی تھیں۔ اور امل بابو اور منمتھ دت کی تو دھجیاں اُڑا دی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریمتی چارو بالا کو آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ لکھا تھا کہ یوں تو میدانِ ادب میں نئی نئی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رہوارِ تخیل ادب کی ہر وادی میں بے تکان دوڑتا ہے۔ چنانچہ سلاستِ بیان، پیاری زبان، پُر لطف تشبیہات، اچھوتے استعارات، رنگینی اور معنی آفرینی کے اعتبار سے یہ نیا شہسوار بڑے بڑے گھاگ بہادروں کے کان کترتا ہوا نظر آتا ہے۔ نقاد نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا تھا کہ نئے لکھنے والوں کو چارو بالا کے اندازِ بیان سے سبق لینا چاہیے۔ اور ان کی تقلید کرنی چاہیے۔

ورنہ ان کی یہ ادبی قلابازیاں چند دنوں کی مہمان ثابت ہوں گی۔ اور مستقبل قریب انہیں اس قبر میں دھکیل دے گا۔ جہاں سے وہ تاقیامت نہ نکل سکیں گے۔

بھوپتی نے ہنس کر کہا۔

"اب بولو۔ استاد تم ہو یا امل؟ امل تو تمہارے سامنے سچ کہتا ہوں دودھ پیتا بچہ ہے دودھ پیتا بچہ"

اپنی تعریف سن کر کون خوش نہیں ہوتا۔ اور بالخصوص جب ایک نوجوان قلب و دماغ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ ادب کے مرغزاروں میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت اس کی سماعت اور اس کی بصارت اپنے چاروں طرف تعریف کو گونجتی ہوئی اور تو صیف ناچتی ہوئی دیکھنا چاہتی ہے۔ چارو بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ لیکن وہ کسی طرح بھی یہ ممنا گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی وجہ سے امل بابو کی ادبی صلاحیتوں پر نقاب ڈال دیا جائے اس لئے جب امل اور چارو کا مقابلہ ہوا۔ اور چارو اس مقابلے میں امل کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہو گئی تو اس کا نسوانی دل ایک خوفناک کچوکا محسوس کر کے تڑپ اٹھا۔ ۔۔۔ ایک کسک ۔۔۔ ایک درد ۔۔۔ نہیں" ایک جگر خراش خلش ۔۔۔ اور اس خلش نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اس سرور بخش جام کو ایک دیوانہ وار جھٹکے کے ساتھ پرے ہٹا دے اور اس نے اسے پرے ہٹا دیا۔

بھوپتی بابو چارو کی قلبی پریشانیوں کو نہ معلوم کس رنگ میں دیکھ رہے تھے۔ اور مسکرا رہے تھے۔ چارو کو ان کی یہ مسکراہٹ تیر کی طرح لگی۔ اور وہ چپکے سے دونوں رسالے اٹھائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"علیحدگی میں پڑھوں گی، نہیں" یہی الفاظ تھے جنہوں نے بھوپتی بابو کو مطمئن کر دیا اور وہ اپنے دفتر میں چلے گئے۔

چارو اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور بستر پر گر پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ امل نے

اس کے ساتھ ایک بہت بڑا دھوکا کیا ہے۔ وہ تاڑ گئی کہ محض اسے متحیر کرنے کے لئے امل نے اس کی اجازت لئے بغیر اس کی پہلی ادبی کوشش کو صحافت کی دنیا میں اچھال دیا ہے اور اس کا دل بڑھانے کی غرض سے اپنے کسی دوست سے یہ مضمون لکھوا لیا ہے۔ لیکن چارو تو یہ نہ چاہتی تھی۔ وہ تو اپنی مسرت اور اپنا اطمینان امل ہی کی آنکھوں میں ڈھونڈتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ امل اسی کے لئے وقف ہو جائے۔ اس کی تحریر کا ہر لفظ اور اس کے جذبات کی ہر جنبش اسی کے لئے ہو۔ اسی کے لئے اس نے "املا" رسالے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس نے یہ تنکے اپنے لئے جمع کئے تھے۔ اور ایک چھوٹا سا ادبی آشیانہ بنا لیا تھا۔ جس میں وہ ہی دو ہوں —— دونوں —— اور دوسری دنیا کی نظریں ان تک نہ پہنچ پائیں۔ —— لیکن امل نے یہ کتنا بڑا ظلم کر دیا تھا۔ اس نے ان تنکوں کو اپنے تنفس ہی کی آندھیوں سے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیا۔ چارو چاہتی تھی کہ امل بیرونی ستائش اور خود نمائی سے بچ کر اسی کے لئے وقف ہو جائے۔ لیکن امل نے اس کے جذبات کی توہین کر دی۔ اور نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ خود چارو کو گھسیٹ کر ادبی دنیا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ آہ! وہ ننھا سا کاشانہ، وہ چند حقیر تیلیوں کا اجتماع جسے وہ اپنا کہنا چاہتی تھی۔ نامحرم ہونٹوں سے نکلے ہوئے تعریفی الفاظ کی بارش سے تنکا تنکا ہو کر رہ گیا تھا۔

چارو یہی سوچ رہی تھی کہ امل بغل میں رجسٹر دبائے دبے پاؤں چلتا کمرے میں آیا۔ لیکن چارو کو دیکھ کر الٹے پاؤں لوٹ گیا۔ "وشو بندھو" چار پائی پر کھلا پڑا تھا اور چارو اپنے آپ میں غرق بیٹھی تھی۔ اس نے امل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آج چارو بھابی تو پھولے نہیں سماتیں۔ مانو آپے ہی میں نہیں ہیں۔ اور انہیں ہونا بھی تو چاہئے۔ بنگالی زبان کے ایک معیاری ماہنامے میں ایک مانے ہوئے نقاد کے قلم سے اُن کی تعریف نکلی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نقاد نہایت

نے ہمارے بھی لتے لے ڈالے ہیں۔ اب بھی اگر چارو بھابی آپے میں رہیں تو جائے حیرت ہے۔ — یہ خیال آتے ہی غصہ شعلہ بن کر اس کے دل میں بھڑکا۔ اور جنگل کی آگ کی طرح اس کی نس نس میں دوڑ گیا۔ ایک نقاد نے اگر ذرا سی تعریف کر دی ہے تو آفت کیا آ گئی۔ استاد آخر استاد ہے اور شاگرد شاگرد۔ چارو بھابی خواہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ لکھنے لگیں اور بنگالی ادب کے ماہرین فن انہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سمجھنے لگیں لیکن کم از کم انہیں اپنے استاد کا تو ادب چاہیئے۔ کم از کم یہ تو دیکھنا چاہیئے تھا انہیں کہ اس کندۂ نا تراش نقاد نے ان کا مقابلہ خود اُن کے استاد سے کر دیا ہے۔ اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ادبی دوڑ میں شاگرد اُستاد سے بازی لے گیا — تف ہے اس تنقید پر اور لعنت ایسے نقاد پر! — لیکن نقاد لوگ تو عام طور پہ بے وقوف ہوا کرتے ہیں۔ چارو بھابی نے یہ سب سچ کیوں سمجھ لیا۔ اور کیوں نہ اس مضمون کے ٹکڑے کر دیئے۔

"اونہہ —!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "اچھا لکھنے والی ہیں تو ہوں گی، ہم سے کیا مطلب؟"

اور امل منا کی کے دروازے پہ پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ خود بخود اُٹھ گئے۔ اور اس نے دستک دے کر جان بوجھ کر بلند آواز میں کہا۔

"منا بھابی!"

منا بھابی نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ اور حیرت آمیز مسرت سے بولی:۔

"آؤ بھیا آؤ، دھن بھاگ ہمارے! آج تو بن بلائے چلے آئے۔"

"منا بھابی!" امل نے زور سے کہا تاکہ چارو سُن لے: "ہم نے آج اکٹھے ہی دو مضمون لکھ ڈالے ہیں۔ دونوں کمال کے ہیں منا بھابی! سنو گی تو لٹو ہو کر رہ جاؤ گی۔"

منا کا دل جوشِ مسرت سے دھڑک اُٹھا جس بدکاری کی جھولی بن مانگے بھر جائے اس کی مسرت کا کیا ٹھکانہ! وہ مسکرا کر بولی۔

نالے بیٹو۔ کئی دنوں سے کہہ رہے ہو سناؤں سناؤں، اور سناتے ہو نہیں ۔ لیکن نہ بھیا، رہنے دو۔ ہم نہیں سنتے۔ اگر ہم نے سن لیا....." مندا کی آواز اب خاصی بلند ہو گئی تھی۔" تو کوئی ناراض ہو جائے گا۔ اور اس گھر میں قیامت آجائے گی۔ مجھے سننے میں تو اعتراض نہیں، لیکن میری وجہ سے کسی کا دل دکھے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا!"

اور امل نے بھی بلند آواز سے کہا۔

"جلتے ہوؤں کو جلانا چاہئے مندا بھابی۔ ہنڈیا پکے گی تو اپنے ہی کنارے پھونکے گی ہم سے کیا غرض، جو ہوگا دیکھ لیں گے۔۔۔ تم بیٹھو تو ۔۔۔!"

مندا کنی سراپا شوق بن کر بیٹھ گئی۔ اور امل سنانے لگا۔

" یہ حقیقت تھی کہ مندا کنی نہ ہی چارو کی طرح زیور تعلیم سے آراستہ تھی۔ اور نہ ہی چارو کی سی ذہنی وسعت اور شاعرانہ جذبات اسے ملے تھے۔ اس لئے وہ امل کی شعریت اور موسیقیت میں ڈوبی ہوئی تحریر کو سمجھنے کے قابل بھی نہ تھی۔ اس لئے وہ مسکراتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ بیٹھی سنتی رہی۔ امل جوش میں آکر پڑھتا گیا۔

وہ پڑھ رہا تھا :-

" یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابھیمنو نے ماں کے پیٹ ہی میں صف بندی کے آئین و قوانین پر قدرت حاصل کر لی تھی۔ لیکن دنیوی تجربات کے باوجود وہ دشمن کی صف بندی سے نکلنے کا طریقہ نہ سیکھ سکا تھا۔ وہ ایک دریا تھا جو ابلتا، دندناتا؛ اکڑتا اور امنڈتا پہاڑوں کی چٹانوں اور کھنڈروں پر سے گزرتا جاتا تھا۔۔۔ آگے اور آگے ۔۔۔ لیکن پیچھے ہٹنا یہ اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہ تھا۔۔۔ اسی طرح ۔۔۔ بالکل اسی طرح دنیا کی ہر وہ چیز جس میں جوانی کا جوش اور شباب کے ولولے شامل ہوں۔ آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ پیچھے ہٹنے کے نام سے اسے گھن آتی ہے۔ دریا، وقت، شباب سب کے سب جوش و خروش سے بھرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

لیکن انسان کا دل ـــ آہ، گوشت و خون کا ایک ننھا سا لیکن قوی ہیکل لوتھڑا۔ ـــ زمانے کے خلاف، زمانے کے آئین کے خلاف پیچھے ہٹنا چاہتا ہے۔ وہ ان اولوالعزم ہستیوں کے نقوشِ پا پر چل کر آگے بڑھنے کی بجائے ان نقوشِ پا کی پرستش کرتا ہے ان پر یادگاریں قائم کرتا ہے۔ اور ان یادگاروں کو سونے اور قیمتی پتھروں سے حسین اور جاذبِ نظر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ کتنی عجیب ہے یہ چیز کہ انسان کے ماحول کا ہر ذرہ پکار رہا ہو آگے بڑھو ـــ آگے بڑھو۔ اور اسی ماحول میں رہنے والے انسان کا دل چلا رہا ہو" رجعت... رجعت"۔ شاید یہی راز ہے کہ دنیا کو دارالمحن کہتے ہیں۔ یہاں ماحول اور فرد کی فطرت میں بُعد المشرقین ہے"۔

ٹھیک اس وقت دروازے کے قریب ایک سایہ نظر آیا۔ منداکنی دروازے کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے اس سائے کو دیکھ لیا۔ لیکن وہ اس بات کا اظہار امل پر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اسی طرح بیٹھی امل کے پُرجوش چہرے کو دیکھتی ہوئی سُنتی رہی۔

وہ سایہ ایک لمحے میں ہٹ گیا۔

چارو نے یہ سوچ رکھا تھا کہ امل کے آتے ہی وہ اس کے لتے لے ڈالے گی۔ اور اسے خوب آڑے ہاتھوں لے گی۔ لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ امل چوکنے والا نہیں وہ وشوبندھو کو آڑ بنا کر اسے کھری کھری سنائے گا۔ اس طرح ایک غیر مضر دلچسپ چپقلش ہو جائے گی۔ اور تمام ذہنی پریشانی دور ہو جائے گی۔

اس آنے والی پُرلطف کش مکش کے خیال میں چارو امل کا انتظار کرتی رہی لیکن اس کے آنے کا وقت آیا اور بیت گیا۔ امل پھر بھی نہیں آیا تھا۔ اور پھر یکایک امل کی آواز سُنائی دی۔ اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ آواز منداکنی کے کمرے سے آرہی ہے۔ چارو کو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے کلیجے میں زہر بجھا خنجر بھونک دیا

ہے۔ اس کا دم گھٹ گیا۔ اور دُم کچلی ناگن کی طرح کمرے ہی میں پیچ و بل کھا کر رہ گئی۔
وہ انتظار کرتی رہی ـــ سوچتی رہی اور امل کی آواز برابر آتی رہی۔ آخر وہ برداشت
نہ کر سکی۔ دبے پاؤں اُٹھی اور چوروں کی طرح پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوئی منداکنی
کے کمرے کی طرف بڑھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور دروازے میں سے امل کی آواز آ رہی تھی ـــ
آواز کاہے کی تھی۔ ایک قاتل زہر کا سیلاب تھا۔ جو اُمڈتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اور
چارو کی زندگی کو اپنے اندر غرق کر دینے والا تھا۔

چارو نے امل کے مضمون کا آخری فقرہ سُن لیا تھا۔ اور اسے معلوم ہو گیا تھا
کہ امل کا یہ نیا مضمون ہے۔ جو اس نے ابھی تک نہیں سُنا۔ اس کا یہ خیال کہ امل نے اپنے
لئے مضمون کے لئے مندا کنی جیسے کندۂ ناتراش کو پسند کیا ہے اور اس کی طرف آنکھ
اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ زہریلے ناگ کی طرح اس کی روح پر پھنکارنے لگا۔ غم اور
ذہنی پریشانی جب بڑھ جاتی ہے۔ تو غصے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چارو کا رنج
بھی غصے کی شکل میں بدل گیا۔ اور اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ چاہتی تھی
کہ چلا چلا کر آسمان سر پہ اُٹھا لے۔ اتنا بولے، اتنا روئے کہ امل کے لئے زندگی
اجیرن ہو جائے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ البتہ اس کے قدم دیوانہ وار فرش سے ٹکرائے
اور وہ زور زور سے پیر پٹکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی ـــ!

دروازہ لکڑیوں کے تختے ـــ اس کے غصے کا اعلان بن کر ایک پُر زور
دھماکے کے ساتھ بند ہو گئے۔ اور وہ اپنے بستر پر گر پڑی۔ اسے ایسا محسوس ہو تا تھا
کہ وہ زندگی جسے اس نے ہر لحظہ سے بچانے کے لئے اپنی عمر عزیز کا آخری متاع لُٹا دیا
تھا۔ آہستہ آہستہ ـــ دھیرے دھیرے رینگتی ہوئی اس سے دور ہٹتی چلی جاتی ہے
وہ دیکھتی ہے ـــ اُسے بچانا چاہتی ہے لیکن ہاتھ نہیں ہلا سکتی۔

دروازے کی آواز انل کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ اور مندا کنی نے بھی اُسے سُن لیا۔ انل نے رجسٹر پر سے آنکھ اُٹھا کر مندا کی طرف دیکھا اور مندا نے مسکرا کر چارو کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جھلس کے رہ گئی ہیں تمہاری چارو بھابی"

"اونہہ ۔۔۔!" انل نے بیدردی سے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "وہ کبھی ہیں جیسے میں ان کا زرخرید غلام ہی تو ہوں۔ میرے ذہن کی ہر کوشش اور میرے قلم کی ہر تراوش گویا انہیں کے لئے ہے۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی؟"

یہ کہا اور پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ مضمون سُنانے لگا۔

مندا کنی کی سمجھ میں کچھ بات آئی۔ کچھ اس نے سمجھ لی کہ آ گئی۔ اسی طرح ہوتے ہوتے مضمون ختم ہو گیا۔ لیکن چارو کے حیرت ناک طرزِ عمل نے انل کے دل میں ایک عجیب قسم کا زہر بھر دیا تھا۔ وہ مندا کنی کے کمرے سے مکدر طبیعت لے کر اُٹھا اور چارو کے کمرے کے قریب سے ہوتا ہوا گذر گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا ۔۔۔ شاید اس لئے کہ انل اسے کھٹکھٹائے گا ۔۔۔ لیکن انل کو کیا پڑی تھی دروازہ کھٹکھٹانے کی! وہ کھٹ کھٹ کرتا دروازے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتا گذر گیا ۔۔۔ چلا گیا۔

اور چارو نے بھی اس کی چاپ پہچان لی۔ وہ جانتی تھی یہ انل ہے۔ اسے یقین تھا کہ انل اس کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اپنے اس بے جا عمل کی معافی چاہے گا اور منت اسے مضمون سُننے پہ مجبور کر دے گا۔ وہ منہ بنائے گی، مندا کنی کے خلاف زہر اُگلے گی، اسے کندۂ ناتراش ثابت کرے گی۔ انل کی کور ذوقی کا خوب خوب مذاق اُڑائے گی اور پھر ۔۔۔ ہاں پھر انل اور انل کے دماغ کی تمام تر قوتیں اس کی طبیعت کو گدگدانے لگیں گی۔

لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بوٹ کی کھٹ کھٹ صاف سُنائی دیتی رہی ۔۔۔

دروازے کے قریب ـــــ چارو کا دل دھڑک اُٹھا۔ وہ ہمہ تن گوش ہوکر سننے لگی۔ ـــــ اب رُکا کہ اب رُکا ـــــ لیکن وہ نہیں رُکا تھا۔ چاپ بڑھتی گئی ـــــ دور ـــــ اور دور ـــــ یہاں تک کہ اس کا دروازہ آیا۔ تالے میں چابی گھومی ـــــ دروازے کے پٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ چارو کو دفعتاً ایک شدید قلبی ہیجان کا احساس ہوا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا، کہ اس کی زندگی ٹھک گئی ہے۔ چکرا گئی ـــــ بے ہوش ہوکر گرا چاہتی ہے۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس کی کائنات میں ایک شدید زلزلہ آیا ہے۔ اور اس کی دنیا ایک غضب ناک عفریت کے ہاتھوں میں ایک ننھی سی گیند کی طرح اُچھل رہی ہے ـــــ اب گری کہ اب گری اور چکنا چور ہوئی۔

معاً اس کی نگاہیں چارپائی پر کھلے ہوئے رسالے کی طرف اُٹھ گئیں ـــــ اس کا اپنا مضمون ـــــ اس کی تحریر کی تعریف ـــــ شاید یہی تھا وہ خوفناک عفریت جس نے اس کی کائنات کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اُچھال اُچھال کر بے ہوش کر دیا تھا ـــــ ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی ٹھان لی تھی۔ چارو کی دنیا کو اس کی اپنی تصنیف نے ـــــ اور یہ تصنیف' یہ چڑیل کیوں زندہ رہے۔ چارو کی انگلیاں دیوانہ وار رسالے کی طرف جھپٹیں اور دم کے دم میں رسالہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کس بُرے وقت میں چارو نے یہ دھندا شروع کیا تھا۔

سورج دیوتا مغربی آرامگاہ میں جا چکے تھے۔ اور سکوتِ شام نے اپنی زلفیں

بکھیر دی تھیں۔ برآمدے میں جوہی کے پھول کھلکھلا کر ہنس رہے تھے اور اپنی مستی بیز خوشبوؤں کا خزانہ ہوا کے سپرد کر رہے تھے۔ ہوا اُنہیں اُٹھائے چوروں کی طرح کمروں میں دیکھتی پھرتی تھی۔ اور انہی کمروں میں سے ایک کمرے میں چاردہ بیٹھی تھی۔ وقت ہو چکا تھا کہ رات کے استقبال میں بجلی کے قمقموں سے گلال اُڑایا جاتا۔ لیکن چاردہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب پلنگ پر گم سم بیٹھی تھی۔ آج اس نے بالوں میں کنگھی بھی نہیں کی تھی۔ کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ مانگ میں سیندور بھی نہیں بھرا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس کا دل مسل دیا ہے۔ اور دل کی تمام تر امنگیں اور آرزوئیں ایک معلوم نہ ہونے والی خلش میں بدل کر اس کے دل و جگر میں چٹکیاں لے رہی ہیں۔ اس کی زلفیں آغاز شام کی عطر بیز ہواؤں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں ——چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی' بڑے رازدارانہ طریقے سے اس کی زلفوں اور شام کی ہلکی ہلکی نشہ میں بدمست ہواؤں میں ——لیکن کون جانے کون کھیل رہا تھا چاردہ کے دل سے اور کون چلا رہا تھا اس دل پر نشتر، کہ چاردہ کی آنکھیں گنگا جمنا بن گئی تھیں ——آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

اسی وقت بھوپتی بابو خلاف معمول آج جلدی ہی گھر چلے آئے تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ وہ اخبار کے تمام صفحات کے لئے مضامین لکھ کر' ان کے پروف دیکھ کر اور اپنی تسلی کر کے گھر آیا کرتے تھے۔ لیکن آج وہ بڑی جلدی دفتر سے لوٹ آئے تھے ان کا چہرہ بھی کچھ اُترا اُترا سا تھا۔ ان کی آنکھیں کچھ پریشان سی تھیں اور ان کی ہر حرکت کہے دیتی تھی کہ وہ بیرونی دنیا سے کوئی زخم کھا کر آئے ہیں۔ تاکہ چاردہ ان کے دل پر کافوری پھایا رکھ دے۔

لیکن جس سے کافوری پھایا رکھنے کی امید لے کر بھوپتی بابو گھر میں آئے تھے خود اس کے دل پر آج ہزاروں زہریلے ناگوں کے دانت زخم لگا چکے تھے۔ وہ خود چاہتی

تھی کہ کوئی آئے ——— اپنے ہونٹوں میں مندمل کر دینے والی مسکراہٹوں کے خزانے لئے ہوئے ——— اور ان رستے ہوئے زخموں پر ٹھنڈک چھڑک دے ——— ایسی کہ اس کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ اور دنیا اور دنیا والوں کی ہر چیز اس کی ذات سے کئی کوس پرے ہٹ جائے۔

چارو کو اس خود فراموشی کے عالم میں بیٹھا دیکھ کر بھوپتی بابو اپنا غم بھول گئے۔ لپکے ہوئے اس کے سرہانے آ کھڑے ہوئے۔ لیکن چارو اپنے خیالات میں کچھ اس حد تک مستغرق تھی کہ بھوپتی بابو کے قدموں کی چاپ بھی اسے چونکانے میں کامیاب نہ ہو سکی، وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ گویا چارو نہیں ایک سنگ مرمر کی مورتی ہے۔

اس خود فراموشی نے بھوپتی کو بھونچکا سا کر دیا۔ اور وہ گھبرا کر بولے۔

"چارو!"

چارو بھوپتی کی آواز سن کر گویا کسی گہری نیند سے بیدار ہو گئی ——— گویا کسی نے اپنے تیز ناخنوں سے چھیڑ دیا اس کے پکتے ہوئے دل کو ——— وہ تڑپ کر گھومی اور حیران نظروں سے بھوپتی کی طرف دیکھنے لگی۔ بھوپتی بابو نے چارو کی پریشان زلفوں سے کھیلتے ہوئے محبت کی شراب سے مخمور لفظوں میں کہا۔

"ایسے اندھیرے میں اکیلا بیٹھا ہے میرا چاند! منزا کنی کہاں ہے؟"

لیکن اس محبت بھرے جملے نے چارو کے خوابوں پر ایک کاری ضرب لگائی۔ وہ تمام دن سوچتی رہی تھی کہ امل کو اس کے پاس آنا چاہئے۔ اور گڑگڑا کر اس سے معافی مانگنی چاہئے۔ اسی طرح سوچتے سوچتے آخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گئی تھی کہ امل ضرور آئے گا ——— خواہ کچھ ہو جائے اسے آنا ہی پڑے گا ——— لیکن امل نہیں آیا۔ اور امل کی بجائے آیا بھی کون؟ بھوپتی بابو! اس کا اپنا شوہر ——— اس کا دیوتا!

اور دیوتا کی صورت دیکھ کر چارو کی آنکھوں سے آنسو اور بھی شدت سے بہہ

نکلے ـــــ وہ اور زور سے رونے لگی ـــــ ایسی کہ اس کی گھگی بندھ گئی۔

جھوپتی بابو سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن آخر ہوا کیا؟ میری رانی!"

چارو کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ اس کی دنیا خود اسی کے سامنے لٹ رہی ہے۔ وہ صاف کہہ دینا چاہتی تھی کہ وہ آشیانہ جسے اس نے تنکا تنکا جوڑ کر بنایا تھا اور جس کے متعلق اسے یہ زعم پیدا ہو گیا تھا کہ اس کا اپنا ہے۔ ظالموں کے ظلم پرور تعصب کی آندھی سے اُڑا جا رہا ہے ـــــ وہ رونا چاہتی تھی ـــــ پکار پکار کر ساری دنیا کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ کچھ بھی تو کیا؟ آخر ہوا کیا تھا ـــــ واقعی ہوا کیا تھا۔ بات تو یہی تھی نا کہ اس نے اپنا مضمون پہلے اسے نہیں بلکہ منا کو سنا دیا تھا۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے وہ جسے چاہے مضمون سنا سکتا ہے۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ؟ اور اگر اسی بات کی شکایت بھوپتی بابو کے سامنے کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اس رائی نے ہمالہ بن کر اس کا جگر پیس دیا ہے، تو کیا بھوپتی اس کا کوئی علاج سوچنے کی کوشش کریں گے۔ یا اسے محض ایک عجیب مذاق سمجھ کر بے ہنگم قہقہے لگائیں گے۔ اور اس طرح اس کے زخموں پر اور بھی نمک چھڑکیں گے۔ اس فضول بحث میں کوئی ایسا زہریلا خنجر نظر نہیں آتا تھا۔ جس کی خراشیں چارو کو اس قدر مضمحل کر دیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس قدر تکلیف، اس دکھ اور اس روحانی و قلبی اذیت کی کیا ممکن وجہ ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے، اس پُراسرار درد کا اصل مخرج مل جائے۔ اور اس بے معنی "تلاش" نے اس کے لئے ایک اور مصیبت کھڑی کر دی۔

لیکن چارو کی خود فراموشی نے بھوپتی بابو کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ سمجھے کہ ان کی بے رُخی نے چارو کو اس مصیبت کے جہنم میں جھونک دیا ہے۔ اس لیے وہ پُرملال

لہجے میں بولے ۔

" چارو ! آخر مجھی کو نہ بتاؤ گی تو یہ زخم کس کے سامنے کھول کر رکھو گی ؟ میں جانتا ہوں ۔ میں نے تمہارے ساتھ بڑی بے انصافیاں کی ہیں اور یہ ماتما جانتا ہے کہ یہ بے انصافیاں عمداً نہیں ہوئیں ۔ کام کاج کے جھنجٹ ہی کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ سر کھجلانے کی فرصت نہیں ملتی ۔ بہت ہی مصروف رہا ہوں ۔ اور پریشان بھی ۔ اس لئے میری طرف سے اگر بے رُخی کا اظہار بھی ہو جائے تو یہ قابلِ معافی ہے "

یہ سوال یقیناً ایسا نہ تھا جس کا جواب دینے کی ضرورت ہو ۔ اس لئے وہ خاموش رہی ۔ لیکن اس ظاہرا سکوت وجود کی تہ میں ایک لرزہ خیز طوفان تھا ۔ جس نے چارو کے دل میں زہر بجھے نشتر بھونک دئے ۔ وہ گھبرا گئی اور اسے بار بار یہی خیال آنے لگا کہ جس طرح بھی ہو ، بھوپتی بابو چلے جائیں اور اس کی جان میں جان آئے ۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بھوپتی کے محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ طلائی زنجیریں بن کر اس کی آزادی کو سلب کئے لیتے ہیں ۔

لیکن بھوپتی بابو اس خاموشی کا مطلب نہ سمجھ سکے ۔ ان کی نظریں چارو کے سینے میں طوفانوں کو نہ دیکھ سکیں ۔ وہ صرف یہی سمجھے کہ قصور اُن کا اپنا ہے اس لئے بولے ۔

" بات یہ ہے کہ تم بھی سچی ہو اور میں بھی ۔ تمہیں بجا طور پر مجھ سے یہ توقع ہے کہ میں تمہارے پاس بیٹھوں ۔ اور تمہارے دکھ درد کا شریک بنوں ۔ لیکن میں نے اپنے لئے جھمیلا ہی ایسا تیار کر لیا ہے کہ ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دینے سے قاصر رہا ہوں ۔ اس کا علاج میرے ہاتھوں میں نہیں ۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہاری ان تنہائیوں کو کم کرنے کی کوشش کروں ۔ تم جس وقت بھی چاہو ، مجھے بُلا بھیجنا ۔"

چارو گھبراسی گئی اور بولی۔

"نہیں تو ــــ اس لئے تو نہیں پریشان ہوں میں۔"

"تو پھر آخر پریشانی کی وجہ کیا ہے؟" بھوپتی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

چارو زیادہ دیر تک اپنی پریشانیوں پر پردہ نہ ڈال سکی۔ تنگ آکر بولی۔

"رہنے دیجئے اس وقت ــــ رات کے وقت بتاؤں گی۔"

بھوپتی کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ اور پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

"بہت اچھا!"

یہ کہا۔ اور سر جھکائے آہستہ آہستہ باہر چلے گئے۔ وہ اپنے سینے پر غم والم کا پتھر رکھ کر لائے تھے۔ اور انہیں توقع تھی کہ چارو کے نازک ہاتھ اس پتھر کو بڑی آسانی سے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ ہوا بھی تو یہ کہ چارو کے سینے کا پتھر اور بڑھا دیا گیا۔ اور بھوپتی بابو کا بوجھ ہلکا ہونے کی بجائے اور بھی بوجھل ہوگیا۔

بھوپتی کی جھکی ہوئی گردن اور پریشان نگاہوں نے چارو پر اس بات کو زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہنے دیا۔ اس کا دل پکار کر بولا۔ تیرے دیوتا تجھ سے مدد مانگنے آئے تھے۔ شاید وہ کسی دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ اور وہ اس امید پر آئے تھے کہ تیرا ہاتھ انہیں اس دلدل سے باہر نکال لے گا۔ لیکن چارو! تیرے منحوس ہاتھوں نے انہیں اس دلدل میں اور گہرا گاڑ دیا۔ یہ تم نے کیا کیا چارو؟ ــــ یہ تم نے کیوں کیا؟ ــــ اور چارو کے دماغ نے معاً جواب دیا۔ انہیں بلاتی ہوں۔ اپنی سناؤں گی اور ان کی سنوں گی۔ اس طرح ہم دونوں کا دل ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہ سنتا کیا؟ انہیں کہے کیا؟ اور اس کچھ نہ کہہ سکنے کے رنج نے اس کی مصیبتوں میں ایک بھیانک اضافہ کردیا۔ لیکن مجبور دل و دماغ کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر ہی لیتا

ہے ۔ چارو کو بھی ایک راستہ سوجھ گیا ۔ وہ اس طرح دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی نہ رہے گی ۔ اور نہ ہی اس فضول غم کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے اپنی دماغی قوتوں کو پریشان کرے گی ۔ وہ اُٹھی اور سیدھی رسوئی میں گئی ۔ بڑی احتیاط اور بڑے پریم سے اس نے بھوپتی کے لئے کھانا تیار کیا ۔ اور جب کھانا تیار ہو گیا تو ہاتھ میں پنکھا لے کر بیٹھ گئی ۔ آج اسے ایک خاص قسم کے سُرور کا احساس ہو رہا تھا ۔

اتنے میں اس نے سُنا کہ منداکنی بلند آواز سے برج کو کہہ رہی تھی ۔

" امل بابو نے کھانا کھالیا ؟"

" ہاں بی بی جی !" برج بولا " کھا چکے ۔"

" ارے کھا چکے ؟ " منداکنی ناراض معلوم ہوتی تھی ۔" تو پھر پان لے کر نہیں گیا تو ابھی تک ؟ "

اتنے سے قصور پر منداکنی نے برج کے لتے لے ڈالے ۔

منداکنی کی آواز ابھی سُنائی دے رہی تھی ، کہ بھوپتی بابو کھانے کے لئے اندر آگئے چارو پنکھا کرنے لگی ۔

آج چارو نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بھوپتی سے بڑی محبت اور پیار سے باتیں کرے گی ۔ لیکن منداکی آواز نے اس کے اس شاندار ارادے کو مسمار کر دیا تھا ۔ اور وہ کوشش کے باوجود ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی ۔ بھوپتی بھی سخت متفکر تھے ۔ اور بات کرنا تو کیا ، اُن سے لقمہ تک نہ اُٹھایا گیا ۔ آخر جب وہ معمول سے بہت کم کھا کر اُٹھے ، تو چارو بولی ۔

" آج تو کچھ کھایا ہی نہیں گیا آپ سے !"

" واہ ! " بھوپتی نے مصنوعی ہنسی ہنس کر کہا ۔ " اور کیسے کھانا کہتے ہیں ۔ اتنا تو ٹھونس لیا ۔"

خوابگاہ میں جب دونوں اکٹھے ہوئے تو بھوپتی نے کہا۔

"چارو رانی کو اپنا وعدہ تو یاد ہوگا؟"

"کیسا؟" چارو بولی۔

"کہا تھا نا تم نے کہ رات کو کچھ بتاؤ گی۔"

"ارے ہاں!" چارو قدرے توقّف کے بعد بولی۔ "دیکھئے۔ بُرا نہ مانئے گا ۔۔۔ مجھے مندا کنی کے مزاج میں کچھ انقلاب سا نظر آرہا ہے۔ اب مندا کنی کی پہلی سی نظریں نہیں رہیں۔ وہ بہت بدلی ہوئی سی ہے۔ مجھے تو بابا اُسے یہاں رکھنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔"

"لیکن ہوا کیا؟ کس بات پر شک پیدا ہوا تمہیں؟"

"امل کے ساتھ جب باتیں کرتی ہے اور اس کے سامنے جس جس طرح وہ نخرے کرتی ہے ۔۔۔ ہائے مجھے تو اس کا خیال آتے ہی شرم آنے لگتی ہے۔ توبہ!"

بھوپتی نے ایک بلند کھوکھلا قہقہہ لگایا اور کہا۔

"پاگل ہوگئی ہے میری رانی! امل کے تو ابھی دودھ کے دانت ہیں۔ وہ کیا کھا کے اس جھنجھٹ میں پڑے گا؟"

"آپ کو دنیا کے اور بکھیڑے چھوڑیں تو گھر کی فکر ہونا! دادا کو دیکھو! ان بے چاروں کی تو کوئی خبر لیتا ہی نہیں کہ انہیں کھانا بھی وقت پر ملا ہے یا نہیں۔ لیکن امل بابو کے بھاگ ایسے جاگے ہیں کہ اگر اُن کے پان میں چونا بھی زیادہ لگ جائے۔ تو گھر بھر کی شامت آجاتی ہے۔ زمین آسمان ایک ہو جاتا ہے۔"

"اُف عورت ذات!" بھوپتی بابو نے مذاق کیا۔ "پرماتما جانے یہ دنیا بھر کا حسد اور شک عورتوں ہی کے لئے کیوں وقف ہو گیا ہے!"

چارو نے چڑ کر کہا۔

"جی عورتیں تو خیر شکی مزاج کی ہوتی ہی ہیں لیکن پرماتما کا شکر ہے کہ اُن کی آنکھوں پر مردوں کی طرح پٹی نہیں بندھی ہوتیں۔ وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتی ہیں۔ اور یہ بے حیائی مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتی ہیں آنکھیں بند کر کے اپنے مکان کی چاردیواری پر سیاہی نہ پُتواؤں گی۔"

چارو کی ان باتوں نے بھوپتی کو مذاق کا ایک اچھوتا مضمون دے دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں خوش بھی تھے کہ ان کی دھرم پتنی اس گھر کو نیکی اور پوترتا کی گنگا بنانا چاہتی ہے۔ اور کسی طرح بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ فضا، جس میں وہ سانس لے، کسی قسم کی آلودگی میں ملوث ہو۔

اس خیال نے بھوپتی کی دلی کیفیت کو یکدم بدل دیا۔ اور وہ محبت جو چارو کے لئے ان کے دل میں موجود تھی، پہلے سے دہ چند بڑھ گئی۔ انہوں نے محبت اور عقیدت کا ایک پُرکیف بوسہ چارو کے رخسار آتشیں پر ثبت کر کے کہا۔

"قدرت نے سب انتظام خود بخود کر دیا ہے۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ امابتی بابو وکالت کی غرض سے میمن سنگھ جا رہے ہیں ——— مندا کنی خود بخود ساتھ چلی جائے گی۔ ہماری بات بھی رہ جائے گی۔ اور تمہاری مُراد بھی پوری ہو جائے گی۔"

چارو خاموش ہو گئی۔ بھوپتی بابو نہیں چاہتے تھے کہ اس ناخوشگوار تذکرے کو طول دے کر حالات کو اور زیادہ پریشان کن بنایا جائے۔ اسلئے انہوں نے موضوع بدلنے کے لئے قریب ہی ایک میز پر رکھے ہوئے رجسٹر کو اُٹھا لیا اور بولے۔

"اپنا مضمون تم نے کبھی ہمیں نہیں سُنایا!"

چارو لپک کر رجسٹر پر جھپٹ پڑی اور اُسے چھینتے ہوئے بولی۔

"آپ کے مطلب کا کوئی مضمون نہیں اس میں آپ خواہ مخواہ میری ہنسی اُڑائیں گے۔"

چارو کی اس بات نے بھوپتی کو سخت تکلیف دی۔ لیکن وہ اس خلش کو اندر ہی اندر پی گئے۔ اور ہنس کر بولے۔

"ہنسی نہیں اُڑائیں گے ہم ــــ بس، اور کیا کہتی ہو۔ چُپکے پڑا سنتا رہوں گا اور تمہیں ایسا معلوم ہوگا کہ میں گھوڑے بیچ کر سو رہا ہوں۔"

لیکن بھوپتی کی ایک نہیں چلی۔ وہ اصرار کرتے ہی رہے اور رجسٹر ایسی جگہ گُم کر دیا گیا جہاں اُن کے ہاتھ کیا، ان کی نگاہیں بھی نہیں پہنچ سکتی۔

۹

بعض باتیں عورتوں کو بتائی جاتی ہیں اور بعض نہیں بتائی جاتیں بعض بتانے کے قابل ہوتی ہیں بعض نہیں ہوتیں۔ لیکن بھوپتی بابو کے دل میں جو بات تھی وہ اس قابل تو ضرور تھی کہ چارو کے کانوں تک پہنچا دی جاتی۔ لیکن نہ معلوم کیوں بھوپتی اسے نہ کہہ سکے۔

اماپتی بھوپتی کے اخبار میں ایک اہم حصہ لے رہے تھے۔ چھاپہ خانہ، کاغذ، لین دین، ملازموں کی تنخواہیں، غرض کاروبار کی تمام راسیں اماپتی بابو ہی کے ہاتھوں میں تھیں۔ اور بھوپتی روپے پیسے کے جھنجھٹ سے بے نیاز ہو کر اخبار کے علمی اور ادبی شعبہ پر اپنی تمام توجہ مرکوز رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں امید تھی کہ جس طرح وہ خود

ایمانداری کے ساتھ اپنے حصّے کا کام کر رہے تھے، اُسی طرح اماپتی بابو بھی ایماندارانہ طریقے سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے لیکن ایک دن اس زعم کا بھی پول کھل گیا۔ اور اماپتی بابو کی بے ایمانیوں پر سے کاغذ والوں کے ایک خط نے سارے پردے اُٹھا دئے۔ یہ ایک نوٹس تھا جو ایک وکیل کی وساطت سے دیا گیا تھا۔ اور اس میں ستائیس سو روپے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ بھوپتی ہمیشہ معاملے کے صاف رہے تھے۔ اور وہ کسی طرح بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے کاروبار میں مانگنے والوں کا عنصر بڑھ جائے۔ اس لئے وہ ہمیشہ نقد چیز لیتے۔ اور ہر کام نقد کرتے۔ یہ نوٹس دیکھ کر اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ انہوں نے فوراً اماپتی کو بُلایا۔ اور پوچھا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟ کیسا روپیہ ہے یہ؟ میں نے تو کاغذ والوں کی ایک ایک پائی چکا دی تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے، چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ روپے میرے ذمے نکلتے ہوں گے لیکن یہ ستائیس سو روپے کی رقم کہاں سے نکل آئی؟" ـــــ

اماپتی نے آسانی سے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"کاغذ والے نے غلطی کی ہوگی۔ میں جلد ہی فیصلہ کر لوں گا۔"

لیکن یہ بات دبنے والی نہ تھی۔ اس سے پہلے بھی اماپتی بابو اس قسم کے ہزاروں دھوکے دے چکے تھے۔ اور ان دھوکوں کو انہیں پردوں میں چھپا چکے تھے۔ کاغذ والا معاملہ تو خیر نیا نکلا تھا۔ اس سے پہلے بھی بھوپتی بابو کے نام پہ بازار والوں کو لوٹا گیا تھا۔ نوکروں کے پیٹ پر لات ماری گئی تھی۔ اور ہزاروں مزدوروں کے مُنہ سے لقمے چھینے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اماپتی بابو گاؤں میں ایک پختہ مکان بنا چکے تھے۔ اور جہاں تک ظن غالب تھا، اس مکان کی ایک ایک اینٹ بھوپتی بابو کے خون سے بنائی گئی تھی۔ اس لئے جب یہ سارا پول بھوپتی بابو کے سامنے کھولا گیا اور انہوں نے دراز ورد سے کر حساب کا مطالبہ کیا، تو اماپتی بابو کو بغلیں جھانکنے

کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جب بغلیں جھانکنے سے بھی سر پر آئی ہوئی بلا نہ ٹلی تو وہ چوری اور پھر سینہ زوری کے اصول پر اُتر آئے۔ اور بھپر کر اور بگڑ کر بولے "اگر آپ کو یہی شک ہے کہ میں ہی چور ہوں، بدمعاش ہوں، اُٹھائی گیرا ہوں۔ تو پھر میں اپنا مُنہ کالا کرتا ہوں یہاں سے۔ آپ پھر کبھی میری صورت نہ دیکھیں گے۔ البتہ یہ آپ سے وعدہ کئے جاتا ہوں کہ جو روپیہ میری پُرخلوص خدمات کے عوض میرے سر لگایا گیا ہے اس کی ایک ایک کوڑی اور ایک ایک پائی ادا کر دوں گا آپ بک جاؤں گا۔ اور جس طرح بھی بن پڑے گا۔ جوتیوں کا یہ ہار جو میرے گلے میں ڈالا جا رہا ہے اُتار دوں گا۔"

اما پتی بابو کی یہ گرما گرمی اور یہ شوراشوری اس زخم کو مندمل نہ کر سکی جو بھوپتی بابو کے دل پر لگا تھا۔ روپے کا نقصان تو زندگی کا ایسا عام واقعہ ہے جسے اہمیت دینا عقلمندی نہیں۔ بھوپتی بابو اس حقیقت سے خوب آشنا تھے۔ لیکن وہ خود ایک پُرخلوص اور ایماندار دل لے کر اس دنیا میں آئے تھے۔ اور اس ذلیل دنیا کے ہر معاملے کو اپنے احساسات کے پیمانے سے ناپنا اُن کی عادت ہو چکی تھی۔ اسی لئے انہیں اس بات کا راسخ یقین تھا کہ دنیا میں خواہ کتنی ہی ذلت اور بُرائیاں کیوں نہ ہوں۔ احسان فراموشی نہیں ہو سکتی۔ احسان اور مروّت کی زنجیریں ایسی ہیں، جن سے گلو خلاصی کرا لینا نہ صرف مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے۔

لیکن آج قدرت نے انہیں ایک ایسا سبق دیا تھا، جو اُن کے پچھلے یاد کئے ہوئے اسباق سے بالکل مختلف تھا۔ آج اُن کے سامنے اُن کے اپنے نظریئے کی توہین ہوئی تھی۔ اما پد بابو نے ان کی جنت پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی، کہ وہ ساری دنیا کو یکلخت احسان فراموش اور بے ایمان سمجھنے لگے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ بادِ بہاری کی ٹھنڈی سانسیں بھی احسان فراموش ہیں۔ اور ان میں جھومتے ہوئے

سبز درخت بھی ـــــــ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ جس کی زد میں آکر کائنات کا ذرّہ ذرّہ ایک ہمہ گیر اور غیر فانی تاریکی میں ڈوب گیا ہے۔

اور اسی تاریکی سے گھبرا کر وہ اس دن شام کے وقت چارو کی نگاہوں میں روشنی ڈھونڈنے کے لئے چارو کے کمرے میں گئے تھے۔ لیکن وہ روشنی انہیں وہاں بھی نہیں ملی۔ اس وقت چارو چراغ گل کئے کھڑکی کے قریب کھڑی تھی ـــ تاریکی میں ڈوبی ہوئی!

اماپد کو میمن سنگھ جانے کی اتنی جلدی تھی، کہ وہ رات بھر سامان درست کرتے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، بازار والوں کو خبر ہونے سے پہلے پہلے وہ یہاں سے نکل جائیں۔ تاکہ ان کے قرض خواہ ان کا دامن نہ تھام سکیں۔ بھوپتی بابو کے دل پر جو زخم اماپتی کی خود غرضیوں نے لگایا تھا، وہ یقیناً اس قابل نہیں تھا، کہ ایک آدھ دن ہی کا وقفہ اسے مندمل کر دیتا۔ اس لئے وہ اماپد سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن بھوپتی بابو کی یہ نفرت ہی اماپد کے لئے باعث مسرت تھی۔ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ بھوپتی ان سے بات نہ کریں۔ اور اُن کے بھید انکشاف پذیر نہ ہونے پائیں۔

اکل اس اندرونی کش مکش سے بے خبر شخص تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ بھوپتی اور اماپد میں کیا باتیں ہوئی ہیں۔ اور نہ ہی اُسے یہ معلوم تھا کہ یہ تکرار کس طرح کھڑی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اسی معصومیت سے مندا کنی کے پاس پہنچا اور بولا۔

"مندا بھابی! کیا بات ہو گئی۔ یہ لدنے کی فکر کیوں ہونے لگی آج؟"

مندا کچھ تو پہلے ہی جلی بیٹھی تھی۔ یہ سُن کر اور بھی بھڑک گئی، اور جلے پھپھولے پھوڑنے لگی۔

"بھیا! زیادہ دیر کسی کے دوارے پر پڑے رہنے سے عزت نہیں رہتی۔ اپنا

جھونپڑا دوسرے کے محلوں سے اچھا ہوتا ہے۔"

"لیکن چلے کہاں؟"

"دلیس کو' اور کہاں!"

"آخر کچھ کہو تو۔ اس طرح یکایک دل میلا کر لیا۔ بات کیا ہوئی؟ ہم سے ناراض ہو گئیں کیا؟ تکلیف کیا تھی؟"

"تکلیف تو کوئی بھی نہیں تھی۔ تکلیف کیوں ہونے لگی تھی مجھے! جب تک تم لوگوں میں رہی۔ بڑے مزے سے دن گذرتے گئے۔ لیکن بھیا! دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث ہونا بھی تو بڑے شرم کی بات ہے۔" اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں خود بخود چار وہ کے کمرے کی طرف کھچ گئیں۔

امل کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور اس کے ہونٹوں پر مہر ثبت ہو گئی۔ وہ کچھ نہ بولا۔ منداچند لمحوں کے توقف کے بعد ناک بھوں چڑھا کر بولی۔

"توبہ! توبہ! دنیا بھی کیسے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ دادا کے کان میں نہ جانے کیا کیا زہر نہیں بھرا گیا۔"

امل نہیں چاہتا تھا کہ اس دلخراش موضوع کو زیادہ طوالت دی جائے۔ اس لئے خاموشی سے گردن جھکائے باہر چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چاروہ نے جو بات بھی دادا سے کی ہے۔ ہرگز اس قابل نہ تھی کہ کی جاتی۔ بلکہ کسی طرح بھی وہ اس قابل نہ تھی۔ کہ ایک ایسی عورت کی زبان پر آتی جسے شرافت اور عزت کا دعوے ہو۔ اور اس لئے قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دوبارہ اس گھر میں قدم نہ رکھے۔ ایسا جائے یہاں سے کہ اس منحوس چار دیواری اور اس چار دیواری کے مکینوں کو اپنی صورت نہ دکھائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر چار وبھابی دادا کو لگا بجھا کر اس امر پر راضی کر سکتی ہے کہ وہ منداکنی جیسی محبت اور شرافت سے لبریز عورت کو فاحشہ اور بدمعاش سمجھ لیں،

تو یہ کب ممکن نہیں کہ ان کے ہونٹوں سے ٹپکا ہوا زہر اَمل کی زندگی کو بھی خراب کردے۔ وہ سمجھتا تھا کہ مندا کنی کو نکال کر چارو بھابی نے امل کو بھی نکل جانے کا اشارہ کیا ہے۔ اور اس فضا میں رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، لیکن اسے کسی طرح بھی یہ یقین نہیں آسکتا تھا کہ دادا چارو کی باتوں میں آکر امل کے متعلق بھی غلط رائے قائم کرلیں گے۔ انہوں نے اس کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اور کبھی اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ انہیں امل پر اعتماد نہیں۔ نہ ہی امل نے ان کے .... اس اعتماد کو بگاڑنے کا کبھی کوئی کام کیا تھا۔ وہ ہمیشہ دادا کے اشارے پر چلتا اور اس کی ہر حرکت اس کا ہر فعل اُن کی مرضی کے عین مطابق ہوتا تھا۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان باتوں کا آخری فیصلہ کئے بغیر گھر سے باہر چلا جائے۔ یہ سوچ کر وہ بھوپتی کے کمرے کی طرف چلا!

عزیزوں کی احسان فراموشی، قرض خواہوں کے پیہم تقاضے، حساب کتاب کا جنجال، یہ کچھ کم باتیں نہ تھیں۔ اور کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اگر بھوپتی اس پہاڑ کے نیچے دب کر پریشان تھے تو ان کی پریشانی حق بجانب نہ تھی۔ وہ سوچ رہے تھے، کہ اُن کے چاروں طرف دشمنوں کا ایک خوفناک گروہ کھڑا ہوگیا ہے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں پھنکارتے ہوئے سانپوں کا ایک مہیب اور خوفناک مجمع ہے۔ کسی طرف سے نکل بھاگنے کا راستہ نہیں۔ اس قیامتِ صغریٰ میں وہ تنہا تھے۔ انہیں ان تمام آفات کا مقابلہ تنہا کرنا تھا۔ ان کے دُکھ کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ آدمیوں سے پٹی ہوئی اس دنیا میں کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو اُن کے دُکھ درد کا شریک ہوتا۔ اور اُن کے پاس آکر اُن سے پوچھتا "بھوپتی بابو کہو کیسے ہو؟" دشمنوں اور آستین کے سانپوں سے بھری ہوئی اس دنیا کے ساتھ انہیں تنہا جنگ کرنا تھی۔ اور یہ جنگ کس طرح ہوگی؟ یہ ایک ایسا سوال تھا، جو اُن کے ذہن کے ہر ذرّے کو پیسے دے رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے،

ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے غرق تھے اپنے خیالوں میں، کہ یکایک امل اپنے سینے میں غلط فہمیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا ایک طوفان لے کر آیا۔ اور بھوپتی کو ایسا معلوم ہونے لگا، کہ وہ قزاقوں کے جگر شگاف نیزوں میں گھرے کھڑے تھے۔ یکایک بجلی کوندگئی اور بجلی کا تیز آتشیں برچھا اُن کی طرف لپک پڑا۔ وہ چونک اُٹھے اور بولے:۔

"کیا بات ہے امل ؟"

امل کی آنکھوں پر نہ جانے آج کس قیامت کی پٹی بندھی تھی۔ کہ وہ غم والم کے بوجھ تلے دبے ہوئے دادا کا متفکر چہرہ بھی نہ دیکھ سکا۔ وہ اپنے طوفانی جذبات کی تُند و تیز دھارا میں اس بے بسی سے بہہ رہا تھا کہ شاعر کا حساس قلب و دماغ رکھنے کے باوجود یہ محسوس نہ کرسکا کہ دادا کو مرہم کی ضرورت ہے۔ نمک اُسے اور تڑپائے گا۔ اور اسی اندھے جوش میں اس نے اپنا نمکدان دادا کے کلیجے پر خالی کردیا۔

"دادا ۔۔۔ !" وہ قدرے تیز ہو کر بولا۔ "آپ کو شک ہے کہ میں ....." اور وہ یکدم رُک گیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"شک ! کب شک ہے امل !" وہ سوچ رہے تھے کہ اس احسان فراموشوں کی دنیا میں جس پر شک نہ کیا جائے وہ آدمی نہیں اوتار ہو سکتا ہے۔ اور امل اوتار نہیں!

"بھابی جی نے" امل قدرے توقف کے بعد زانو ملتے ہوئے بولا۔ "بھابی جی نے میرے چال چلن کے متعلق کچھ کہا ہے آپ سے ؟"

ایک نئی آفت ۔۔۔ ! بھوپتی بابو چونکنے سے ہوگئے۔ اگر آج سے چند دن قبل امل اس غصّے اور نفرت کا اظہار کرتا، تو بہت ممکن تھا کہ بھوپتی بابو اس کی اس یاوہ گوئی کو ایک بلند آہنگ قہقہے میں غرق کر دیتے۔ لیکن آج ان کے پھیپھڑوں میں ہنسنے کی سکت نہ تھی۔ آج اُن کے ذہن میں مذاق کرنے کی ہمّت نہ تھی۔ آج وہ سوچ سکتے تھے تو یہی، کہ یہ دنیا احسان فراموشوں کی بستی ہے ۔۔۔ قاتلوں اور ڈاکوؤں کا اڈا ہے۔ اسلئے انہوں

نے انل کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی تیز برچھیوں سے کانپ کر کہا۔

"انل تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

"تو بھابی جی نے کچھ نہیں کہا آپ سے؟"

"ارے وہ تم سے پیار کرتی ہیں بیٹا! اور پیار کرنے والے دل بڑے حاسد ہوا کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہاری بہتری کے لئے کچھ کہہ بھی دیا ہو، تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟"

"خیر ــــ" انل نے ایک لمبا سانس لیا" تو دادا! مجھے یہاں سے جانا چاہیئے۔ اب میں جوان ہو گیا ہوں۔ بازوؤں میں ہمت آگئی ہے۔ اور آسمانی فضا کھلی اور بے کنار ہے مجھے اپنے پر پرزوں کا امتحان کرنا چاہیئے۔ دیکھنا چاہیئے کہ مخالفت کی ان آندھیوں کا مقابلہ میں کر بھی سکتا ہوں یا نہیں۔"

بھوپتی کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ خنجر جو دیر سے اُن کی نگاہوں کے سامنے تیر رہا تھا۔ لپک کر اُن کے جگر میں گڑ گیا ہے ــــ وہ چلا اُٹھے۔

"انل ــــ!" اور پھر ایک لمبا سانس لے کر بولے "تمہارے بچپنے کا کچھ ٹھکانہ نہیں، یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ ــــ تم ابھی پڑھو لکھو، پر پُرزوں کا امتحان کرنے کے ابھی بہت دن ہیں۔"

انل نے چونک کر بھوپتی کی طرف دیکھا ــــ شاعر کی آنکھوں نے اپنے دادا کے چہرے پر رنج و الم کی لہریں دیکھ لیں۔ اور اس کا دل پسیج گیا ــــ اس کا سر خود بخود جھک گیا۔ وہ چپکے سے اُٹھا اور آہستہ آہستہ باہر چلا آیا۔

۱۰

مندا کنی کا کانٹا نکل گیا تو چارو نے سوچا کہ وہ امل کو بُلا کر خود اس سے بات چیت کرے گی۔ اور اس طرح ان کے درمیان جو غلط فہمی اور شکر رنجی کی ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی تھی پاٹ دی جائے گی۔ لیکن امل کو بُلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہ بہانہ کچھ مشکل نہ تھا۔۔۔ ایک مضمون ۔۔۔ امل کو نہایت آسانی کے ساتھ مضمون سننے پر مائل کیا جا سکتا تھا۔ اور اس طرح بُعد کی کوفت دور کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک مضمون کا خاکہ تیار کیا۔ اس مضمون کا نام " اماوس کی روشنی " تھا!

چارو جانتی تھی کہ امل اس کے آزاد طرزِ تحریر کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اور نہ ہی وہ کسی طرح یہ پسند کر سکتا ہے کہ کوئی مبتدی استادوں کے راستے سے الگ ہٹ کر اپنے لئے ایک ایسی شاہراہ قائم کر لے جو عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ حیرتناک بھی ہو۔ اس لئے اس نے محض امل کو چڑانے اور بات کا موضوع حاصل کرنے کے لئے اماوس کی روشنی کو خوب جی بھر کر کوسا تھا۔ وہ لکھ رہی تھی:۔

" چاند کی چاندنی زرد چڑیل کی طرح آئی۔ اور دنیا کو ایک کوڑھ میں جھونک گئی۔ گویا ساری کائنات پر برص کی مکروہ سفیدیاں چھڑک دی گئیں۔ اور اس کے مقابلے میں تاریک راتیں ۔۔۔ موہنی ۔۔۔ لمبی لمبی ۔۔۔ تاریک راتیں اور جگمگاتے ہوئے ستارے دل کو کیسے بھلے لگتے ہیں " ۔۔۔ وغیرہ۔

وہ سمجھتی تھی کہ امل ان خیالات کو سُن کر ضرور سیخ پا ہو گا۔ اور اسے اس قسم کے لایعنی خیالات کے اظہار سے روکنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس طرح بات کرنے کا راستہ مل جائے گا۔

لیکن ادھر امل کے دل کی کیا حالت ہو رہی تھی۔ چارو کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چارو بھابی اس دنیا میں اس کی سب سے بد ترین دشمن ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی ایک ہستی ہے جس نے اس کی مسکراتی ہوئی دنیا کو آہوں کی آندھیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے تنہا ان آندھیوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ان طوفانوں کے سامنے سینہ سپر ہونا ہے۔ چارو بحیثیت ایک عورت کے کس قدر خوفناک قوت ہے اس کا اسے علم تھا۔ اور جب اس قوت کے ساتھ دنیوی طاقتیں بھی ہاتھ ملا لیں تو عورت کیا قیامت نہیں بن سکتی۔ یہ وہ خوب اچھی طرح سے جانتا تھا اور ان قوتوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اس کے متعلق امل نے ایک لائحۂ عمل تیار کر لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ چارو کے سامنے جاتے ہی اس پر برس پڑے گا۔ جو اس کے منہ میں آئے گا اسے کہے گا۔ جو دل میں آئے گی اس کو سُنائے گا۔ اور اتنا کچھ کہہ دے گا کہ ان کی ہمیشہ کے لئے بول چال بند ہو جائے۔

ان سب سے علیحدہ بھوپتی بابو کی حالت اس قدر قابلِ رحم ہو رہی تھی۔ کہ ان کی صورت دیکھنے سے دل بھر آتا تھا۔ وہ بچپن سے سونے چاندی میں کھیلتے آئے تھے پرماتما کا دیا سب کچھ تھا۔ لیکن اس دفعہ ان کی آستین میں چھپے ہوئے سانپ نے ان کے دل میں ایسے تیز اور زہریلے دانت بھونک دئے تھے۔ کہ اس کے خون کا ایک ایک قطرہ موت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ان کی دولت خرچ ہو چکی تھی، ان کی عزت لُٹ چکی تھی۔ اُن کے قرضخواہ اژدہوں کی طرح جبڑے پھیلائے ان کی طرف لپک رہے تھے۔ چاروں طرف غم و الم کی آندھیاں اپنے طوفانی بربطوں پر ایک ایسا راگ چھیڑ رہی تھیں، جو اپنی نوعیت میں اتنا دماغ پاش اور ذہن شکن تھا کہ بھوپتی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن اس عالمگیر اندھیارے اور اس ہمہ گیر تاریکی میں امید کی ایک ہلکی سی شعاع

ان کے ذہنی اُفق پر بھوپتی - اور جس طرح ڈوبتا ہوا ایک حقیر تنکے کو دُور پُر خروش موجوں کے سینے پر کھیلتا دیکھ کر اُسے ہی سہارا بنا لینے کے لئے اس کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے - اسی طرح بھوپتی بھی امید کی ایک ننھی سی رمق کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑے - یہ تنکا منّی لال کی ذات تھی - منّی لال بھوپتی کا پُرانا ملاقاتی تھا - اور یہ حقیقت ہے کہ ہر آڑے وقت میں بھوپتی نے منّی لال کو سہارا دیا تھا - وقت پڑے پر ہزاروں روپے دینے سے بھی گریز نہیں کیا تھا - اور لطف یہ کہ یہ روپے قرض کے طور پر لئے گئے تھے - اور پھر اُنہیں واپس کرنے کی کبھی بھی نوبت نہیں آئی تھی — بھوپتی اپنے دئے ہوئے روپوں کا مطالبہ کرنے کے لئے منّی لال کے مکان کی طرف ہو لئے -

اس وقت منّی لال نہا دھو کر پوجا پاٹ کو بیٹھے تھے - اور کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر چھوٹے چھوٹے لفظوں میں ہزار دفعہ درگا کا نام لکھ رہے تھے - یہی ان کی پوجا تھی - بھوپتی بابو کو آتا دیکھ کر بڑے تکلف اور تپاک سے اُٹھے اور بولے -

"آیئے بھوپتی بابو — آج ادھر کا رستہ کیسے بھول پڑے؟"

بھوپتی بابو کی پریشانیوں نے تکلفات کا بھی لحاظ نہیں کیا - اور چھوٹتے ہی اپنی بپتا کہنے لگے -

منّی لال نے ساری داستان بڑے غور سے سُنی اور پوری ہمدردی کا اظہار کیا - لیکن جس وقت بھوپتی نے قرض کا مطالبہ کیا تو منّی لال آنکھیں گھُما کر بولے

"بھوپتی بابو! پرماتما کی قسم تم بڑے ہی بھولے ہو — اور بھول بھی بڑی جلدی جاتے ہو سارے بھائی تمہارا روپیہ تو میں نے ایک ایک پائی چکا دیا تھا اور مجھے اچھی طرح خیال ہے — دیکھو بُرا نہ ماننا' یہ اسی بدمعاش اما پتی کی شرارت ہے"

یہ سنتے ہی بھو پتی کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ گنبدِ بے ستون پاش پاش ہو کر اُن کے سر پر ٹوٹا چاہتا ہے۔ لیکن یک دم چارو کی صورت ان کی نظروں تلے پھر گئی۔ وفا و مہر کی پوتر دیوی! وہ تو بھوپتی کو سہارا دے گی!

یہ سوچ کر اُن کی ٹوٹتی ہوئی سی کمر پھر جڑ گئی۔ وہ اُٹھے اور اپنے گھر کی طرف ہو لئے۔

چارو اس وقت تکئے پر کاغذ رکھے "پورنماشی کی چاندنی" لکھ رہی تھی اور اپنے خیالات میں اس قدر محو تھی کہ بھوپتی کی آمد کا اُسے احساس تک نہ ہوا۔ بھوپتی نے اسے دیکھا، وہ کتنی مطمئن، کتنی مسرور اور کس قدر مشغول معلوم ہوتی تھی۔ اس کی یہ مصروفیت فرشتوں کی طرح معصوم اور بھولی بھالی نظر آ رہی تھی۔ ایسی طمانیت کی جنت میں اقتصادی پریشانیوں کے طوفان اُٹھانا کس قدر معیوب تھا۔ بھوپتی بابو کے دل میں اتنی ہمت نہ تھی، اس لئے وہ جس طرح کمرے میں داخل ہوئے تھے، اسی طرح چپکے سے دبے پاؤں باہر نکل گئے۔ اپنے غم کا بوجھ اکیلے ہی اُٹھانا اور دوسرے کو اس سے بچائے رکھنا — یہ بھی تو ایک مسرت ہے۔

دروازے سے نکلے ہی تھے، کہ امل سے دو چار ہو گئے۔ امل لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بتائے دیتا تھا، کہ آج وہ بہت ہی پژمردہ ہو رہا ہے اور ضرور کچھ نہ کچھ کر کے رہے گا۔

لیکن بھوپتی بابو کے چہرے پر تو روحانی عذاب کی مہریں ثبت تھیں وہ گردن نہوڑائے کمزور قدموں سے چلتے آ رہے تھے۔ امل نے انہیں دیکھا اور سکتے میں آ گیا۔ وہ کونسا پہاڑ تھا جس نے بھوپتی جیسے شیر مرد کا دل چور چور کر دیا تھا۔ اور وہ کونسا زہر تھا جس نے اس مردِ مجاہد کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک چوس لیا تھا؟ یہ

ایسے سوال تھے جو آتشیں نشتروں کی طرح امل کے دماغ میں گڑ گئے۔ وہ بوکھلا سا گیا۔ اور حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"دادا! کیا ہو گیا آپ کو؟"

بھوپتی کی خود فراموشی ایک جھٹکے کے ساتھ ان کے ذہن پر سے ہٹ گئی۔ وہ چونک سے گئے اور گھبرا کر بولے۔

"کیا ہوا۔ کیا ۔۔۔ اوہ کچھ نہیں ۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں امل ۔۔۔!"

"لیکن ۔۔۔ دادا! ۔۔۔ میری باتوں نے تو پریشان نہیں کر دیا آپ کو؟"

"نہیں نہیں بھیا!" بھوپتی بولے "میری دنیا تم ہی لوگ تو ہو۔ تمہاری باتیں مجھے پریشان نہیں کرتیں، بلکہ میری پریشانیوں کو دھو دیتی ہیں۔"

یہ کہا اور پھر اپنے آپ میں محو ہو کر آگے کو ہو لیے۔

لیکن بھوپتی کے جواب نے امل کو مطمئن کرنے کی بجائے اور بھی متوحش بنا دیا۔ وہ لپکا اور سیدھا چارو کے کمرے میں چلا گیا۔ اسے خیال بھی نہیں رہا کہ وہ چارو سے لڑنے کی نیت سے آیا تھا، اور اس طرح آسانی سے اپنے دشمن کے سامنے چلا جانا اپنی ہار مان جانا ہے۔ چارو اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی۔ امل اس آسانی کے ساتھ اس کے پاس چلا آئے گا اور اسے بلانے اور اس کی منتیں کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ یہ خیال کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اور اس غیر متوقع بات نے چارو کے روئیں روئیں میں ایک عجیب قسم کی مسرت بھر دی۔ اس نے مسکرا کر امل کا استقبال کیا اور پھر بولی۔

"آؤ امل ۔۔۔ آؤ! میں تو تمہاری ہی راہ دیکھ رہی تھی۔"

"بھابی!" امل نے چارو کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "دادا کو کیا ہو گیا ہے؟"

"داداکو ـــ کیوں کیا بات ہو گئی ؟"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی پریشان ہیں "

"ارے چھوڑو بھی ـــ کسی دوسرے اخبار والے نے لتّے لے ڈالے ہوں گے "

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ کاغذوں کی طرف بڑھایا اور بولی ۔

" امل! آج میں نے ایک عجیب مضمون لکھا ہے ـــ بڑا عجیب مضمون ہے ۔ سنو گے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے "

چارو کا خیال تھا کہ امل مضمون کا نام سنتے ہی بے چین ہو جائے گا ۔ اور سننے کے لئے اصرار کرے گا ۔ لیکن امل خاموشی سے اس کی طرف تکنے لگا ۔ چارو نے دو تین دفعہ کاغذوں کو اِدھر اُدھر اُلٹا پلٹا ۔ لیکن امل نے چھوٹے منہ سے ایک دفعہ بھی تو سنانے کے لئے نہیں کہا ۔ اور جب چارو تنگ آ کر خود ہی بولی ۔

" سناؤں تمہیں ـــ لو سنو ! "

تو اس نے ایک تیز زہریلی نظر سے اس کی طرف دیکھا ۔ اور تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا ۔

چارو حیران و ششدر اس کی طرف تکتی کی تکتی رہ گئی ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امل کو کیا ہو گیا ہے ۔ !

۱۱

کچھ قسمت ہی کی خرابی کہیئے کہ بھوپتی کی زندگی میں جو واقعہ بھی رونما ہوتا، ان کی تکالیف میں اضافہ کرنے ہی کا باعث ہوتا اور ان کے ذہنی اور دماغی بوجھ پہلے سے کہیں زیادہ ہوجاتے۔ لیکن ایک دن فلکِ کج رفتار نے ایک نیا داؤں پھینکا اور چند دنوں کے لئے بھوپتی کا دماغی بوجھ ہلکا ہو گیا۔

بردوان میں ایک وکیل صاحب تھے، اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے۔ اور ان کی ایک لڑکی تھی، لاکھوں میں انتخاب! ذہنی لحاظ سے بھی قابل قدر تھی۔ امل کی تقدیر نے اسے مسکرا کر دیکھا، اور ان وکیل صاحب نے بھوپتی بابو کو ایک خط لکھدیا۔ اور اپنی بیٹی کے لئے امل کا رشتہ مانگا۔ یہ خط پڑھتے ہی بھوپتی کا دل خوشی سے ناچنے لگا۔ انہیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ دنیا کے تمام رنج اور ساری مصیبتیں ان سے کئی قدم پیچھے ہٹ گئی ہیں۔ وہ بھاگے ہوئے چارو کے کمرے میں آئے۔ وہ خواب گاہ میں جا چکی تھی، اور بھوپتی بے وقت خوابگاہ میں جا کر بولے۔

"اے میں نے کہا — امل کے لئے ایک بڑا اچھا پیغام آیا ہے!"

"پیغام!" چارو نے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور سوچنے لگی۔ وہ اس سے پہلے بھی امل کی شادی کسی اچھے گھرانے میں کرنے کی تجویز کر رہی تھی۔ بھوپتی بابو کے منہ سے یہ خوش آئند خبر سن کر چوکس ہو بیٹھی۔ اور بولی: "کہاں سے؟"

"بڑی اچھی جگہ ہے۔ بڑے دھنوان لوگ ہیں۔"

"لیکن امل کو یہ رشتہ پسند بھی ہے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ اور نہ ہی میں نے اس سے پوچھا ہے۔ لیکن حق تو کچھ مجھے بھی ہے ہی۔ اور میں اپنے اس حق کو برباد نہیں کرنا چاہتا۔ رشتہ بڑا اچھا ہے۔"

"اچھا تو ہو ہی گا۔"

"مجھے تو بے حد پسند ہے!"

چارو کی آنکھوں میں ایک ننھی سی شرارت لچک گئی ـــــ وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ کو بہت پسند ہے وہ رشتہ؟"

"بہت ـــــ سنا ہے لڑکی بس اندر کے اکھاڑے کی اپسرا ہی ہے دیکھو گی تو بس دیکھتی ہی رہ جاؤ گی۔ اور پھر مالی اعتبار سے بھی وہ لوگ سو میں کیا ہزاروں میں سے ایک ہیں۔ چاندی سونے میں کھیلتے ہیں۔"

"پھر تو دھن بھاگ آپ کے۔ آج ہی طے کر لیجئے۔"

"لیکن امل سے پوچھ دیکھو۔"

"وہ تو پیغام امل کے لئے آیا ہے۔ میں نے سمجھا آپ کے لئے" یہ کہتے ہوئے چارو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ بھوپتی ہنستے ہوئے بولے

"یہ بات ہوتی تو پھر کیا کہنے تھے۔ پھر تو میں آتے ہی تمہارا منہ میٹھا کروا دیتا۔"

"لیکن وہ لوگ ہیں کون؟"

"بردوان میں ایک وکیل صاحب ہیں۔ پرماتما کی دیا ہے اُن پر۔ کام خوب چلتا ہے اور لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔ اگر...."

"اُف! کان پک گئے ان کی امارت کی داستان سنتے سنتے۔ بس سمجھ میں آ گیا کہ وہ امیر ہیں۔"

"ہاں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد امل کو ولایت بھیجدیں گے۔"

امل کے ولایت چلے جانے کے خیال نے چارو کے دل پہ ایک کچوکا سا دیا۔ امل اس کی تنہا دنیا کا واحد اُجالا تھا اور یہ شادی اسے بھی اس سے چھین لے گی۔ یہ بات

چارو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی تھی ــــ اس نے چونک کر کہا۔
"کیا کہا ــــ ولایت بھیج دیں گے ؟"
"ہاں ولایت !" بھوپتی بابو نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔ "تم جانو۔ اب ہماری پہلی نوا تحیٰ ہے نہیں۔ قرضہ پہاڑ کی طرح میرے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔ اور امل روپے کے چاؤ چونچلوں میں پل کر جوان ہوا ہے۔ اگر اس کی ضروریات اب پوری نہ ہوئیں، تو اس کے دل کو جتنا صدمہ پہنچے گا اس کے خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ بے خوش نصیب! جب تک جوان نہیں ہوا تھا۔ تو میری وجہ سے دولت کا مینہ برستا تھا اس پر اب جب میرے خزانے خالی ہو گئے ہیں تو ایک اور نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا ہے۔ میں تو کہتا ہوں جس طرح بھی ہو سکے۔ جلدی سے اس کی شادی کر دی جائے۔ تاکہ ہماری غریبی، اس کے دل پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔"
چارو کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے کہرے کے بادل ہٹتے جا رہے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ کہرے کے پردے میں لپٹی ہوئی حسن و دولت کی جنت سمجھ رہی تھی، عجب بھیانک اور ڈراونی بنتی جا رہی تھی۔ وہ کسی قیمت پر بھی امل کو اپنے سے جدا نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ امل کی بہو اس کے گھر میں آئے اور وہ ان دونوں کی سیوا کیا کرے۔ لیکن یہ شادی امل کو سات سمندر پار پہنچا دے گی اور جب وہ واپس آئے گا، اس کی ذہنیت میں کیا کچھ انقلاب نہ آ چکا ہو گا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ چاہتی تھی کہ چلائے۔ اور بھوپتی بابو کو تیقن کے ساتھ کہہ دے کہ وہ امل کی شادی اس جگہ نہ ہونے دے گی۔ لیکن اس کا یہ انکار کس رنگ میں دیکھا جائے گا؟ بھوپتی بابو کیا سمجھیں گے؟ یہ سوال بھی بذاتِ خود خاصے اہم تھے۔ اس لئے اس نے کھلے طور پر انکار کرنے کی بجائے امل کی آڑ لی اس کا

خیال تھا کہ جس طرح امل سے بچھڑ جانے کا خیال اس کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ اسی طرح اپنی پیاری بھابی سے جُدا ہو کر، کالے کوسوں کے فاصلے پہ چلے جانے کا خیال امل کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہوگا۔ اس لئے وہ اس شادی سے انکار کر دیگا اور اس کے لئے کسی اور رشتہ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی خیال کے زیرِ اثر اس نے اپنے منتشر حواس کو یکجا کیا اور آہستگی سے بولی۔

"امل سے پوچھ لینا چاہئے؟"

بھوپتی نے ہنس کر کہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ میں جس چیز کو پسند کروں گا، امل اُسے رُد کر دے گا؟"

"نہیں! نہیں!" چارو گھبرا کر بولی۔ "رد کیوں کرنے لگا لیکن پھر بھی آجکل کے نوجوان اپنے بزرگوں سے زیادہ سمجھدار ہونے کا دعوٰے رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر معاملے میں پہلے اپنی رائے سے مشورہ کر لیا کرتے ہیں۔ اس میں قباحت کیا ہے"

"قباحت؟ ——— ارے قباحت کی کیا بات ہے رانی میری اس میں! ابھی بلوا بھیجو امل کو!"

نوکر گیا۔ اور امل کمرے میں آ گیا۔ چارو نے امید بھری نظروں سے امل کیطرف دیکھا۔ اس کے نازک خدوخال میں اپنے جذبات کا عکس دیکھنے کی کوشش کی۔ امل نے چارو بھابی کے چہرے کی طرف دیکھا، اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس معصوم اور بظاہر خوبصورت "ظاہر" کے اندر ایک بھیانک کھوٹ پوشیدہ ہے۔ اسے چارو کی پُر از امید آنکھوں میں مکر، فریب اور حسد و کینہ کے سانپ لہراتے ہوئے دکھائی دئے۔

بھوپتی بابو نے امل کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولے۔

"امل! ——— وہ بردوان کے وکیل رگھوناتھ کا نام تو تم جانتے ہی ہوگے؟"

"جی ہاں ——— خوب اچھی طرح سے"

"کیا خیال ہے تمہارا ــــ ان کے متعلق ؟"

"اچھے آدمی ہیں!"

"اگر تمہاری شادی اُن کی لڑکی سے ہو جائے تو کیسی ٹھہرے گی ؟"

امل کے چہرے پر لجاجت کی سرخیاں کھنڈ گئیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"بھئی واہ! تم بھی مرد ہو۔ شرمانے کی کیا بات ہے اس میں ؟ صاف صاف کہو"

"میں کیا جانوں دادا ــــ جو جی میں آئے کرو!"

"لیکن تمہارا خیال کیا ہے ؟ لڑکی بُری تو نہیں ہے۔ خاصی قبول صورت ہے"

"بُری کیوں ہونے لگی تھی؟"

"تو پھر کر دیں ؟"

"کیا حرج ہے ــــ ؟" اور امل کا چہرہ افق کی طرح سُرخ ہو گیا۔

"لیکن امل!" چارو بھابی نے ٹوٹتی ہوئی سی آواز میں کہا "جانتے ہو شرط کیا ہے اس شادی کی ؟"

"ہو گی کچھ!" امل نے بے رُخی سے جواب دیا۔

"بڑی کڑی شرط ہے" گو امل کی ظاہرا بے رُخی نے چارو کے دل پر سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ تاہم اس نے زور دے کر کہا "تم کبھی بھی برداشت نہ کر سکو گے"

"ارے بھئی!" بھوپتی بولے "تم تو خواہ مخواہ کو اسے ڈرا رہی ہو۔ اسے تو پرماتما کی کرپا سمجھو۔ ولایت جانے میں کیا خطرہ ہے ؟"

"ولایت دادا ــــ کیا ولایت ؟"

"ہاں ــــ رگھوناتھ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد تمہیں ولایت بھیج دیا جائے گا"

ولایت جانے کے خیال سے امل کا چہرہ کندن کی طرح دمک اُٹھا۔ وہ مسکرا کر

بولا:-

"میں تیار ہوں دادا ——!"

"ہر عقلمند آدمی تیار ہوگا۔ ایسی شادیاں کیا ہر ایک کی ہو جاتی ہیں؟"

لیکن امل کی اس عقلمندی سے چارو کے دل پر کیا بیتی؟ یہ شاید اس کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا!

۱۲

بھوپتی بابو کی مالی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ زیادہ دیر اخبار جاری نہ رکھ سکے۔ اور مجبور ہو کر اسے بند کرنا پڑا۔ وہ جانتے تھے، کہ ان کا یہ اخبار کسی ذاتی مفاد یا مالی فائدے کے لئے جاری نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی اس کے جاری کرنے میں روپیہ کمانے کا کوئی خیال تھا۔ یہ جاری ہوا تھا محض ملک و قوم کی خدمت کے لئے۔ اور بھوپتی بابو کو بجا طور پر فخر تھا کہ انہوں نے اپنا سرمایہ اور اپنا وقت خرچ کر کے اپنے اخبار کا یہ مطمح نظر پوری طرح پورا کیا تھا۔ اس کے بند ہو جانے سے بھوپتی بابو کو یقین تھا کہ لوگوں کے مخلص خادموں میں سے ایک کم ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بھوپتی بابو کو بھی ملک و قوم کی خدمت کا کوئی موقعہ نہ ملے گا۔ وہ جانتے تھے کہ ملک میں ہزاروں ایسے بندگانِ خدا ہیں، جنہیں ان کے اس اخبار پر بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ اس اخبار کے بند ہو جانے پر ان کی ان امیدوں اور آرزوؤں کو کس قدر صدمہ پہنچے گا۔ بھوپتی اس سے غافل نہ تھے۔ لیکن یہ سب کچھ

جاننے اور سمجھنے کے باوجود غریبی نے ان کے ہاتھوں میں ناقابلِ شکن زنجیریں پہنادیں اور وہ بے بس ہوگئے۔

اس گھری ہوئی مصیبت کے درمیان انہیں ایک ہی سہارے کی امید تھی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے، کہ ایک ہی سہارا اُن کی ساری امیدوں کا واحد، اور اُن کی ساری تمناؤں کا اکیلا مرکز تھا۔ اور وہ سہارا چارو کی ذات تھی۔ وہ اپنی طرف اُٹھتی ہوئی امیدوں سے بھری ہوئی تمناؤں کو صرف ایک ہی راستہ دکھا سکتے تھے۔ ---اور وہ راستہ تھا چارو کی چوکھٹ کی طرف جانے والا راستہ!

لیکن جس دیوی کے استھان پر یہ سب کچھ ہونے کو تھا، وہ دیوی خود کس فکر میں پڑ گئی تھی۔ اس کو دیکھنے والی آنکھیں اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔

چارو اور امل کے درمیان بھابی اور دیور کا پوتر رشتہ تھا۔ لیکن ایک تو وہ ہم عمر، دوسرے ہم مذاق، تیسرا یہ کہ جب سے چارو نے اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ اس دن سے لے کر آج کے دن تک امل اور چارو اکٹھے رہے تھے۔ اس قرب نے باہمی قرابت داری کے رشتوں پر قلبی اور روحی رفاقت کی مہریں ثبت کر دیں۔ اور ان دونوں کو ایک جان و دو قالب بنا دیا تھا۔ لیکن فلک کج رفتار دونوں کو ایک دوسرے کی طرف کھنچتا اور سادی محبت کی جنت میں سرور و شادمانی کے قہقہے اُڑاتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان دونوں کو ابھی بہن بھائی کی شیریں محبت سے ترلب ہوئے زیادہ دیر نہ گذری تھی، کہ قضا و قدر کے فرشتوں نے منافرت اور کشیدگی کی بازی پھیلادی۔ اور ان دونوں کو بے کس اور بے بس مُہروں کی طرح آپس میں لڑوا دیا۔ چارو کس طرح سمجھ سکتی تھی کہ اس کی اپنی بھاوج منداکنی جس کو وہ خود سینے سے لگا کر اس گھر میں لائی تھی، اس کے لئے ایسا خونی

اکھاڑہ جما دے گی کہ اس کا مدت کا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ بھوپتی بابو کو کیا معلوم تھا کہ جس اماوتی کو انہوں نے اپنے خون کا لوتھڑا سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا ان کی بربادی کر کے اُٹھے گا۔ قضا و قدر کے بھید کون جانے۔ اور کسے معلوم کہ وہ نیلی چھتری والا حاکم کیا کرے گا اور کیا نہیں!

بہرحال جو کچھ بھی ہوا، کم از کم چارو کے خیال میں اتنا معمولی تھا کہ اگر وہ اور امل چند منٹوں کے لئے ایک دوسرے سے مل کر بالمشافہ گفتگو کر لیتے۔ تو یہ سارے جھگڑے نپٹ سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ محض مضامین کی وجہ سے ایک قسم کی ہم پیشگی کی رقابت ان دونوں کے درمیان کھڑی ہو گئی ہے۔ اور اس کا مٹا دینا کچھ مشکل نہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی، کہ جس تیزاب نے ان دونوں کو پھاڑ کر علیحدہ کر دیا ہے۔ وہ اپنی نوعیت میں اتنا زہریلا اور زود اثر ہے کہ بالمشافہ گفتگو اس گھاؤ کو نہیں بھر سکتی!

چنانچہ چارو دن رات اس اُدھیڑ بُن میں رہنے لگی کہ جس طرح بھی ہو، اور جتنی جلدی بھی ممکن ہو سکے امل سے مل کر کسی قطعی فیصلے پر پہنچ جایا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ امل کسی نہ کسی دن خود ہی چلا آئے گا۔ مضمون سننے یا سنانے ہی کے بہانے سہی۔ بہرحال آئے گا ضرور! لیکن اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے بہت پہلے امل کے خوفناک رویئے سے چکنا چور ہو کر رہ گیا۔ امل کو کئی دن گذر گئے تھے وہ نہیں آیا تھا۔ اور کل اُسے شادی کے لئے رخصت ہو جانا تھا۔ شادی کے بعد وہ سیدھا ولایت کو روانہ ہو جائے گا۔ اور پھر ان دونوں کے درمیان دنوں اور گزوں کا نہیں، بلکہ سالوں اور میلوں کا فاصلہ پیدا ہو جائے گا۔

اس خیال نے چارو کے قلب و دماغ میں خنجر گاڑ دیئے۔ اس خیال کے زہریلے بچھوؤں نے اسے بے دردی سے برمایا اور تڑپایا اور آخر وہ اس امر پہ بھی

راضی ہوگئی کہ خود امل کو بُلا بھیجے۔ اُسے یقین تھا کہ امل خود چلے آنے کو اپنی ہار سمجھتا ہے۔ اور جب اُسے معلوم ہوگا کہ اس کی بڑی بھابی اس کے سامنے سرنگوں ہوگئی ہے، تو سر کے بل چلا آئے گا۔

لیکن جب چارو کا پیغام امل کو پہنچایا گیا، تو وہ کچھ سوچنے لگا، اور قدرے توقف کے بعد بڑے تکلف سے بولا: "اس وقت تو نہیں —— ذرا ٹھہر کر آجاؤں گا"

یہ زہریلا پیغام چارو کے کانوں تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن اس دل شکن جواب اور اس مایوس کُن طرز عمل نے بھی چارو کو مایوس نہیں کیا۔ اسے اب بھی امید تھی کہ امل ضرور آئے گا۔ اور اُن کی شکر رنجی رفع ہو جائے گی۔ اسی خیال کے زیر اثر وہ برآمدے میں کُرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اور امل کا انتظار کرنے لگی۔

انتظار کی گھڑیاں کتنی صبر آزما ہوتی ہیں۔ اس کا تجربہ ہر ایک کو ہوگا۔ اور اس کی جزئیات کا بیان تحصیل حاصل ہے۔ لیکن یہ کہے بغیر بھی نہیں رہا جاتا، کہ چارو سخت اُداس تھی۔ وہ ہر آہٹ پر سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتی۔ لیکن اس کی نگاہیں مایوس ہو ہو کر واپس لوٹتی تھیں۔ آخر وہ تنگ آکر اُٹھی۔ اور بال کھول کر جوڑا بنانے لگی۔ اس کے لمبے لمبے تا بہ کمر پھیلے ہوئے بال جوڑا بننے کے لئے کافی وقت لیا کرتے تھے اور اُسے امید تھی کہ جب تک جوڑا بنے امل آجائے گا۔ لیکن آج شاید چارو کے ہاتھوں میں بجلیاں بھر گئی تھیں، یا نہ معلوم کیا بات تھی، کہ اس کی امیدوں کے خلاف جوڑا بڑی جلدی بن گیا۔ اور اُسے پھر بے کاری کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ چند لمحوں تک بیٹھنے کے بعد وہ پھر پریشان ہو کر کرسی پر سے اُٹھ بیٹھی اور پنکھا اُٹھا لائی۔ لیکن پنکھا کے دو ہی ہاتھ ہلائے تھے، کہ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کی ساری قوتیں سُن ہو کر رہ گئیں۔ اس میں پنکھا ہلانے کی بھی ہمت نہ رہی تھی۔ نہ معلوم کیوں اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ وہ رہ رہ کر امل کا راستہ

دیکھ رہی تھی۔ کہ یکا یک کمرے کی دیوار پر آویزاں گھڑی نے گیارہ بجائے، اور چارو چونک اٹھی۔ صبح کا پیغام بھیجا ہوا تھا اور امل نے کہلا بھیجا تھا کہ وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر آ جائے گا۔ لیکن یہ تھوڑی دیر ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

اور اس خیال کے آتے ہی اس کا دل یکا یک بدل گیا۔ اس نے سوچا امل آخر اس کا ہوتا کیا ہے، وہ اُسے کیوں بلائے۔ اور امل آئے بھی تو کیوں؟ اگر ناراض ہے تو رہے ناراض میری بیزار کو، مجھے کیا پڑی ہے اس کی خوشامد کرنے کی۔ میری جوتی دیکھتی ہے اس کے راستے! اور اب اگر آ بھی گیا، تو وہ حال کروں گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔ بڑا بن کے آیا ہے وہاں سے نازوں والا۔ جب تک اُٹھے اس کے ناز اُٹھا لئے۔ اب نہیں اُٹھائے جاتے ناز کسی کے بھی۔ جوتے لگوا دوں گی "

لیکن اس کا ذہن یہ باتیں سوچتا رہا۔ اور جب اس کے کان کسی کے پاؤں کی چاپ سنتے تو اس کا دل خوشی سے ناچنے لگتا۔ اور اس کے اندر سے کوئی آواز دیتا "امل آ گیا" ——— ہاں اس کا دل، اس کا دماغ انہیں متضاد جذبات کی کش مکش میں مبتلا تھا۔

اسی کش مکش میں آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اور آخر اس کے پریشان ذہن میں نوکر کی آواز گونج اٹھی۔

"ماں" وہ کہہ رہا تھا۔ "باورچی کے لئے کچا ناریل نکالنا ہوگا"

ناریل کا نام سن کر چارو کی آنکھوں پر سے پردے ہٹ گئے۔ وہ تخیل کی دنیا سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آ گئی۔ آج امل کی شادی کا دن ہے۔ اور اس شادی کے بعد وہ ولایت کو چل دے گا۔ پھر نہ جانے کون جئے کون مرے۔ بات کرنے کا وقت ملے یا نہ ملے۔ اور اب بھوتی بابو بھی نہا دھو کر کھانا کھانے کے لئے آ رہے ہوں گے۔

صرف آدھ گھنٹہ کا عرصہ اور باقی ہے۔ کاش! امل اب بھی آجاتا۔ وہ اب بھی اُسے منالیتی۔ لیکن گھڑی کی تیز ٹک ٹک وقت کی رسی کو کاٹتی جا رہی تھی۔ اور امل کے آنے کے کوئی آثار نہ تھے۔

"ناریل نکالنا ہے ماں جی!" نوکر نے پھر لجاجت سے کہا۔ اور چارو چونک پڑی ——— اس نے آنچل سے گودام کی چابیاں کھولیں۔ اور نوکر کی طرف پھینک دیں۔ نوکر حیران تھا کہ ماں جی آج کچھ ناراض ہیں ——— وہ کیوں ناراض ہیں؟ نوکر بے چارا کیا جانے؟

چارو کی نگاہیں پھر گھڑی کی طرف اُٹھ گئیں۔ بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی ہیں۔ پورے بارہ بجے بھوپتی بابو آجائیں گے۔ اور پھر ——— پھر امل سے مل کر اختلافات کی یہ گہری خلیج پاٹنا مشکل ہو جائے گا۔

اس خیال نے چارو کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ بپھرے ہوئے دیوانے کی طرح برآمدے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد ——— بھاری پاؤں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور ساتھ ہی امل کی آواز آئی ——— "دادا! آپ زیادہ پریشان نہ ہوجیے۔ میں جلدی ہی بیرسٹری پاس کر کے آجاؤں گا۔ بس پھر ان سب سے سمجھ لوں گا۔"

اور بھوپتی کی آواز سنائی دی ——— ایک مصنوعی قہقہے کے جلو میں۔
"تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے بھیّا! کون جانے مستقبل ہمارے لئے کیا لا رہا ہے اور کیا نہیں۔"

اور وہ دونوں چارو کے سامنے آگئے ——— امل بھی اور بھوپتی بابو بھی ——— !
چارو نے امل کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ معمول سے کہیں زیادہ اُترا ہوا سا تھا۔ رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ اور اس کے چھوٹے چھوٹے ہونٹوں پہ پپڑیاں

جم گئی تھیں۔ چارو کے محبت بھرے دل نے چارو کو یہی بات سمجھائی کہ جس غم کے بچھوؤں نے اس کے دل کو زخمی کر دیا تھا۔ امل کا دل بھی انہیں نشتروں سے خون ہو گیا ہے۔ آخر وہ بھی بچپن سے اس چار دیواری میں رہا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اس طرح یکایک چلے جانے کے خیال سے اس کا دل کھُلا نہ جاتا۔ ضروری بات تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال کہ کیوں امل اس کے بُلانے پر بھی اس سے ملنے نہیں آیا۔ چارو کو غصّے سے دیوانہ بنائے دیتا تھا۔ اور جب امل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

" بھابی جی! آپ نے مجھے بُلایا ہے؟" تو اس کا خون بڑی شدت سے دوڑنے لگا۔ اور اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

" وقت گذر گیا ــــ اب ضرورت نہیں۔"

امل نے مسکرا کر ایک دوسرا برچھا چارو کے جگر میں بھونک دیا۔

" تو پھر مجھے اجازت دیجیئے ــــ مجھے بہت کچھ کرنا ہے ابھی!"

چارو کا روحانی کرب ایک آتشیں غصّے کی صورت میں شکل پذیر ہو کر اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔ اس نے شرربار آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا ــــ

" جاؤ ــــ!"

امل نے چارو کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ ایک طنز میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کانپی اور وہ کندھے سکوڑ کر باہر نکل گیا ــــ چلا گیا ــــ شاید کبھی نہ ملنے کے لئے۔

بھوپتی بابو بھی امل کی آنے والی جُدائی کے خیال سے کچھ پژمردہ سے ہو رہے تھے۔ گو ان کی اس پژمردگی میں مسرت کا عنصر زیادہ تھا۔ وہ خوش تھے کہ ان کا بھائی ــــ ان کی آنکھوں کا تارا اور ان کے ظلمت کدہ کا تابناک ستارہ

بڑے مبارک بُرج میں داخل ہو رہا ہے۔ لیکن وہ ان سے چھٹ جائے گا۔ اس خیال نے انہیں پریشان بھی کر رکھا تھا۔ اس پر مستزاد لین دین اور حساب کتاب کے ہزاروں جھنجھٹ ان کے دل و دماغ پر ایک بھاری بوجھ کی طرح مسلّط تھے۔ کچھ حساب کرنا تھا مُردہ اخبار کے خریداروں کا۔ کچھ جھگڑا چکانا تھا اپنے عزیز سالے کی کارروائیوں کا۔ اور پھر بھائی کی شادی کے لئے بھی کچھ تیاریاں کرنا تھیں اس لئے وہ بے چین سے معلوم ہوتے تھے۔ چارو کے پاس چند لمحوں تک بیٹھنے کے بعد ایکدم اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:-

"آج میں زیادہ دیر نہ بیٹھ سکوں گا۔ ہزاروں جھگڑے چکانے ہیں ابھی، میں جاتا ہوں۔"

"تو روک کس نے رکھا ہے —— جایئے!"

چارو نے جلے پھپھولے پھوڑے۔ چارو کی اس بے التفاتی نے بھوپتی بابو کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ سمجھے کہ شاید ان کے اس طرح یکایک چلے جانے سے چارو کا دل میلا ہوا ہے۔ اس لئے آنسو پونچھنے کو بولے۔

"ارے تم تو خواہ مخواہ روٹھ جاتی ہو۔ میرا مطلب یہ تھوڑا ہی تھا کہ ابھی چل دوں گا۔ ارے بھئی مجھے بھی تو آرام کی تھوڑی بہت ضرورت ہے۔ ذرا ٹھہر کر جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئے۔ چارو اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جن گھاس پھوس کے حقیر تنکوں کو اس نے اپنا آشیانہ بنایا تھا۔ وہ مخالفت کی آندھیوں میں تنکا تنکا ہوا جاتا ہے۔ وہ اسی خیال میں محو رہی۔ اور بھوپتی بابو اپنے خیال میں مگن رہے۔ بات کرتے بھی تو کیا اور کہتے بھی تو کس طرح؟ اس لئے چند لمحوں تک پریشان کُن خاموشی میں بیٹھے رہے اور آخر بڑی دقّت سے بولے:-

"امل خود جانے والا ہے کل، تمہیں پھر اکیلا ہی رہنا پڑے گا۔ لیکن خیر
چند دنوں میں یہ کوفت مٹ جائے گی۔ طبیعت رنج کی عادی ہو جائے تو پھر رنج
تکلیف دہ نہیں رہتا۔"

چارو اس کا کیا جواب دیتی۔ البتہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل پھوڑے
کی طرح پک رہا تھا۔ اور کسی نے اس اپکتے ہوئے پھوڑے کو تیز نشتر سے چھیڑ دیا ہے
وہ پھوڑا بہہ نکلا ہے ——— ایسی تیز اور تند دھارا کی صورت میں کہ اس کی زندگی
بھی اسی کی لہروں میں ڈوبتی چلی جاتی ہے ——— نیچے اور نیچے ——— اور پھر
یکایک اس نے اس سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور
کوئی چیز لانے کا بہانہ کر کے باہر چلی گئی۔ بھوپتی اس کے اس طرزِ عمل سے حیران تو
ضرور ہوئے۔ لیکن فوراً ہی بعد اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ امل کے چلے جانے کے خیال
نے اسے باؤلا کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ بھی چپکے سے اُٹھے اور چلے گئے۔

آج کی رات چارو کے لیئے نئی مصیبت لے کر آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ امل پہلے
سے کہیں زیادہ لاغر ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اس
گھر سے اور اس گھر کے مکینوں سے جدا ہونے کا رنج ہو رہا ہے۔ اس میں تو کوئی شک
نہیں۔ لیکن امل کا یہ زہریلا طرزِ عمل، اس کا یہ بدلا ہوا خوفناک رویہ! اُف! آخر یہ
امل مجھ سے اس طرح دور دور کیوں بھاگ رہا ہے۔ کیوں وہ اسی آسمانی اور پاک
محبت کو آنکھوں میں لے کر میرے قریب نہیں آتا۔ اور کیوں یہ نہیں کہتا۔ "بھابی!
میں نے اپنے دوستوں کو دعوت پر مدعو کیا ہے۔ مجھے روپے دو"——— اور پھر ایک
خیال نے گویا لوہے کی دہکتی ہوئی سلاخیں اس کے جگر میں بھونک دیں۔ اسے مند اکنی
یاد آ گئی ——— اگر ——— اگر امل کو مندا کنی کے بوڑھے نخروں نے موہ لیا ہو تب
——— تب؟ اُف! تب؟ ——— جوانی اندھی ہوتی ہے۔ اگر امل بھی اس جوانی کے

اندھے جوش میں آکر اس دلدل میں گر پڑا ہو۔ تو کیا اس کی یہ بے رُخی، بے توجہی اور لاغری اسی لئے ہے؟ ــــ لیکن چھی چھی۔ امل اتنا پست نہیں ہو سکتا۔ اتنا حقیر اور ایسا کم ظرف وہ کیسے بن سکتا ہے۔ ایک شادی شدہ عورت کی طرف اس کا رجحان ہو جائے ــــ ناممکن ــــ قطعی ناممکن!

وہ حتی الامکان اس شک کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن شک کا خوفناک بھوت اپنی پوری طاقت سے اس کے دل پر ہتھوڑے چلاتا رہا۔ اور وہ اسی کرب میں پہلو بدلتی سو گئی۔

اور صبح جب وہ بیدار ہوئی، تو اس کی طبیعت پر ایک عجیب قسم کا جمود طاری تھا۔ نہ اُسے ہنسی آتی تھی اور نہ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ نہ ہی وہ پریشان تھی اور نہ ہی خوش ــــ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی ــــ جیسے اس کے سینے میں سے کسی نے دل نکال لیا ہو۔ اور جیسے اس کا سینہ جوانی اور قوت کی دھڑکنوں سے خالی ہو گیا ہو ــــ نہیں، جیسے اس کی جوانی پر بڑھاپے کی برف نے تسلط جما لیا ہو۔ اور اس کی جوان خواہشات، اس کے جوان جذبات، پیش از وقت ابدی نیند کی اتھاہ آغوش میں پڑ کر دنیا کی بلندی و پستی سے غافل ہو گئے ہوں۔ یہاں تک کہ جب امل رخصت ہونے لگا اور اس کے فرطِ گریہ سے کانپتے ہوئے ہونٹوں نے آخری پرنام کیا اور کہا

"بھابی جی ــــ میں جاتا ہوں ــــ دادا کا خیال رکھنا ــــ اب تمہارے سوا ان کا دنیا میں اور کوئی نہیں۔"

اس پر بھی اس کے سینے پر جمی ہوئی تہ در تہ برف نہیں پگھلی۔ وہ روئی نہیں ــــ ساکن و جامد بے حس آنکھوں سے اس کی طرف تکتی رہی۔ اور آخر جب امل نے سر جھکا کر پرنام کیا تو چارو نے اپنے آپ کو یہ کہتے سُنا۔

"خط تو لکھو گے نا!"

لیکن امل نے اس کی اس بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اسے خوب اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس آخری جملے کا جواب بھی نہیں دیا گیا تھا۔ البتہ وہ ہاتھ جوڑ کر قدرے جھکا، گھوما ـــــ اور نہ معلوم کیوں چار و خود بخود اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اور جس طرح ہزاروں من مٹی کے نیچے دب کر کوئی گر پڑے۔ اسی طرح وہ بستر پر گر پڑی۔

۱۳

بھائی کی شادی کی، شادیانے بجائے۔ خود ہنسے اور امل کو ہنسایا پھر اسے ولایت کی طرف روانہ کر کے بھوپتی خود گھر چلے آئے۔ لیکن ان تمام مصروفیات اور الجھنوں کے باوجود، اس وقتی خوشی اور ہنگامی مسرت کے ہوتے ہوئے بھی بھوپتی بابو اس تکلیف دہ احساس کو بھول نہ سکے۔ جو اس ذلیل دنیا اور دنیا کے رہنے والوں نے ان کے دل میں پیدا کر دیا تھا، انہیں اب اس دنیا کے کسی انسان میں انسانیت کا نشان نہیں ملتا تھا۔ سب ایک سرے سے دھوکے باز اور فریب کار نظر آتے تھے۔ اب بھوپتی کی ذہنیت پہلے سے بہت زیادہ بدل چکی تھی۔

وہ سوچ رہے تھے کہ اخبار بند ہو گیا اچھا ہوا۔ اخبار ہی ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بیرونی دنیا سے متعلق کئے ہوئے تھی۔ اس کے بند ہوتے ہی گویا

گھر سے باہر والی ہنستی، جھومتی، روتی اور گاتی ہوئی دنیا کے تمام دروازے بھوپتی پر بند ہو گئے۔ اب وہ اپنے آپ کو ایک آزاد اور خود مختار شخص تصور کرنے لگے تھے۔ انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ زیادہ ناطے بڑھانے اور زیادہ رشتے پیدا کرنے سے آدمی کے لئے تکالیف زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے وہ ہر تعلق کو توڑ دینا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، وہ اور ان کی رفیقۂ حیات ایک دوسرے کے لئے وقف ہو جائیں ـــــ اُن کی رفیقۂ حیات! ان کے گھر کی رونق، ان کی راہ تکا کی، اور وہ دوسروں کے لئے چشم براہ رہے۔ ان کی بیوی ان کے لئے اپنی زندگی کی یادیں آنسوؤں میں غرق کرتی رہی۔ اور وہ دنیا کے دوسرے آدمیوں کے لئے اپنی ذہنی توانائیوں کو وقف کئے رہے۔ وہ عورت جس نے اپنی زندگی کا سب کچھ اُن کی ایک چشم التفات پر قربان کر دینے کی سوگند کھائی تھی، اپنے فرائض کو بہ حسن و خوبی انجام دیتی رہی۔ لیکن بھوپتی بابو ـــــ شیر دل مرد قوم و ملک کی بے وفا چوکھٹ پر اپنا سب کچھ قربان کرتا رہا۔ اور اس کا نتیجہ کیا نکلا ـــــ قوم و ملک نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ جن کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ مٹا دیا تھا وہ اس احسان کا بدلہ کیا دے گئے؟ ـــــ ایک نے انہیں دھوکا دیا۔ دوسرے نے اپنے مفاد کے لئے انہیں ظالم تنہائیوں کے سپرد کر دیا۔ ـــــ اور قوم اور ملک نے ان کے اخبار کے بند ہوتے ہی ان کی طرف سے اس طرح آنکھیں موند لیں۔ گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں ـــــ گویا ان کا اخبار کبھی شائع ہی نہیں ہوا تھا ـــــ گویا اس اخبار نے بھوپتی کی جیب ہی بھری ہے ـــــ۔ اتنا حوصلہ فرسا طرز عمل ـــــ ایسی خوف ناک احسان فراموشی ـــــ اتنی بھیانک بھول! ـــــ کون پتھر کے کلیجے والا برداشت کر سکتا تھا؟ کون اٹھا

سکتا تھا اس پہاڑ کو اپنے کمزور کندھوں پر؟ ــــــ اور بھوپی اس بوجھ تلے دب گئے۔ مخلصانہ خدمت کا جوش و خروش اپنا سب کچھ اجاڑ کر دوسروں کو سرسبز کر دینے کا حسین اور پوتر جذبہ ایک کچلے ہوئے پھول کی طرح مسخ ہو گیا۔ ــ ایک جلی ہوئی حویلی کی طرح بھیانک نظر آنے لگا۔

وہ سوچنے لگے کہ دنیا مکار ہے۔ اس کے ساتھ مکر کئے بغیر گذر نہیں ہوتی۔ اور اگر مکر نہیں ہو سکتا، تو علیحدگی نہ صرف مستحسن عمل ہے بلکہ ضروری اور اشد ضروری ہے۔ اس لئے اس دنیا کو چھوڑ کر ــــــ مکر کے اس جال کے تار و پود بکھیرنے کی ناکام کوشش سے ہاتھ اٹھا کر ــــ اس سے علیحدہ ہو کر اپنی زندگی کو اپنی چارو کے لئے وقف کر دینا ضروری ہے ...ـــ ضرورت ہے اس کے دل کی دھڑکنوں کو سمجھنے اور اس کے جذبات کی قدر کرنے کی!

اس لئے جب وہ بردوان سے واپس آئے، تو سرتاپا بدلے ہوئے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ ان کے چلے جانے کی وجہ سے چارو بہت پریشان ہوگی ـــــ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ شادی اور اس کی روانگی کے تمام واقعات کو بالتفصیل سننے کے لئے بے قرار ہوگی۔ اس لئے انہوں نے راستہ بھر اپنے ذہن پر زور دے دے کر ہر بات اور ہر واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ اور انہیں ایک تسلسل میں قائم کر لیا۔ تاکہ جاتے ہی چارو کو کہہ سنائیں۔

لیکن وہ کیا جانتے تھے چارو کے دل کی کیفیت! انہوں نے اپنی زندگی اخبار کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اور انہیں مطلقاً معلوم نہیں تھا کہ چارو کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ اور اس کی ننھی سی جان کن خوفناک آندھیوں سے دوچار ہو رہی ہے اس لئے انہوں نے پہلے چارو کی فروعی بے چینیوں کو رفع کرنے کی کوئی تجویز نہیں سوچی۔ اور بردوان سے واپس آتے ہی ہاتھ منہ دھویا، کھانا کھایا اور حقہ اٹھا کر

سونے والے کمرے میں چلے گئے۔ ان کا خیال تھا چارو گھر کے دھندوں سے فارغ ہوکر آئے گی، تو اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اور اُسے ہر چیز سے آگاہ کردیں گے۔

وہ اپنے پلنگ پر لیٹے حقّہ کے کش لیتے رہے۔ اور چارو کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن چلم ختم ہوگئی۔ اور بھوپتی بابو کی تھکی ہوئی آنکھوں پر نیند کا تسلّط ہونے لگا۔ لیکن چارو ــــ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

وہ آنکھیں جھپکاتے رہے۔ ہر ایک کے قدموں کی چاپ پر کان کھڑے کرتے رہے۔ کبھی سوتے رہے اور کبھی جاگتے رہے۔ لیکن چارو ــــ ابھی نہیں آئی تھی۔

گھڑی نے ٹن ٹن دس بجائے۔ کافی دیر ہوگئی تھی۔ اور چارو کے اصول کے مطابق اس وقت انہیں سب بات سنا کر سو بھی جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بھوپتی سوچ رہے تھے کہ آج یہ گھر کے کام کاج اتنے زیادہ ہوگئے۔ کہ چارو کو ابھی تک فرصت نہیں ہوئی ــــ وہ آئی کیوں نہیں؟

یکایک کسی کے قدموں کی چاپ نے انہیں چونکا دیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدم جیسے کوئی شرابی چلا آرہا ہو۔ اور اپنے خون چوس لینے والے نشے کے بوجھ تلے دبا ہوا ــــ گھبرایا ہوا اور خود اپنی ہی ذات سے پریشان ــــ دروازہ آہستہ سے کھلا اور زرد رُو ــــ پژمُردہ ــــ کمھلائے ہوئے پھول کی طرح اداس چارو کمرے میں آگئی۔

بھوپتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور سناٹے میں آگئے ــــ چارو کیا سے کیا ہوگئی تھی! اس کی آنکھوں میں تیرتی اور تڑپتی ہوئی وہ جوانی، اس کے اعضا میں اُبلتا ہوا وہ شباب، اور اس کے ہر بُن مُو سے پھوٹتا ہوا وہ نشہ، وہ ترنگ:

آخر سب کہاں غائب ہو گیا ــــ کہاں چلا گیا تھا ؟ ــــ وہ اسے کچھ کہنا چاہتے تھے ــــ وہ چاہتے تھے کہ ایک ہی سانس میں اس سے پوچھ لیں کہ کس زہر نے اس کی رگوں میں سے جوانی اور اس کی آنکھوں میں سے وہ سرور چوس لیا ہے ــــ لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے ــــ کہا تو صرف یہی :-

" اتنی دیر ہو گئی چارو آج ؟ "

اور چارو نے گویا کسی کھائی میں سے جواب دیا۔

" ہاں ، آج بہت دیر ہو گئی ! "

یہ کہا اور سیدھی اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گئی ۔ امل کا نام بھی اس کی زبان پر نہیں آیا ، اس کی شادی کا تذکرہ بھی اس کے ہونٹوں سے نہیں نکلا ۔ بلکہ اس نے بھولے منہ سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ اچھا تو رہا ۔ یا کس حالت میں ولایت کو روانہ ہوا تھا ۔

اگر بھوپتی بابو چارو کے دل کی کیفیت سے پوری طرح آگاہ ہوتے ، یا اگر ان کے کان میں یہ بھنک بھی پڑ گئی ہوتی ، کہ چارو اور امل کا آپس میں کیا رشتہ ہے ، تو وہ اس کی اس سراسیمگی اور اس پریشانی کا سبب سمجھ جاتے ۔ لیکن چارو نے اپنے دل کی بات ہمیشہ خاموشی کے پردے میں چھپائے رکھی تھی ، اس نے بھوپتی کو کبھی بھی اپنے دل میں جھانکنے کی اجازت نہیں دی تھی ۔ اس لئے انہوں نے چارو کی اس خاموشی اور بے رخی کو لاپرواہی پر محمول سمجھا ۔ اور دل ہی دل میں یہ قیاس کر لیا کہ چارو صرف ہنسنا اور ہنسانا ہی جانتی ہے ۔ محبت اور یک جہتی اس کے نزدیک نہیں گذرے اپنے عزیز بھائی اور اپنی عزیز ترین بیوی کو آپس میں بہن بھائیوں کی طرح ہنستا ، کھیلتا ، روٹھتا اور ہنستا دیکھ کر ان کے دل کی کلی کھل جایا کرتی تھی ۔ جب انہیں اس حقیقت کا احساس ہوتا کہ ان کی بیوی اپنی خوفناک تنہائیوں کو اپنی لافانی

محبت سے فردوس بنائے ہوئے ہے۔ تو انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا کہ سات بادشاہیاں ان کے قبضۂ اختیار میں ہیں ـــــ لیکن چارو کی اس خاموشی نے، چارو کی اس لاپرواہی نے ان کے زعمات پر ایک کاری ضرب لگائی۔ وہ سوچنے لگے چارو ماتھا دیکھ کر ہی ٹیکا لگایا کرتی تھی ـــ وہ محض زمانہ ساز تھی ـــــ وہ امل کے سامنے زبان اور ہونٹوں کا ناجائز استعمال کرتی رہی تھی ـــ اس کا دل اس کی زبان سے ہمیشہ بگڑا رہتا تھا۔ اس نئے انکشاف نے بھوپتی بابو کو انگاروں پر لوٹا دیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا چارو بھی اسی دنیا کی ایک ناگن ہے جس دنیا نے ان کی دنیا میں زہر بھر دیا تھا۔ لیکن اچھی طرح دیکھ بھال کر لینے اور اپنے قائم کردہ اندازے کو ہر جہت سے پرکھ لینے کے بغیر وہ اپنے دلی جذبات کو الفاظ کی صورت میں کبھی ظاہر نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے چارو کا امتحان کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"تم اچھی تو رہیں نا چارو؟"

اور چارو نے کروٹ لے کر کہا۔

"بیت گئی جیسی بھی بیتی۔"

بھوپتی کا شک یقین کی حدوں کو چھونے لگا۔ لیکن انہوں نے پھر احتیاط برتی اور دوسرا دانہ پھینکا۔

"چلو، یہ بوجھ بھی ہلکا ہوا ـــ امل کی شادی بھی ہو گئی۔"

اور انہوں نے چارو کی طرف ایک مستفسرانہ نگاہ ڈالی چارو انہیں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن معلوم نہیں کیوں ـــ اور کون جانے کس لئے ؟ ـــ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اس کا دل پکڑ کر زور سے مسل دیا ہے ـــ یا اگر یہ نہیں، تو اس کا دل اپنی اصلی جگہ سے اچھل کر حلق میں آگیا ہے۔ اور وہاں اٹک کر رہ گیا ہے

وہ چُپ ہو رہی۔

لیکن بھوپتی کے دل میں تو ایک نئی آگ نے سر اُٹھایا تھا۔ وہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے اس آگ کی بے پناہ جلن کو۔ وہ تو چاہتے تھے کہ جو محبت اور جو انس ان کے دل میں امل کے لئے ہے۔ ویسا ہی اُنس اور ویسی ہی محبت دنیا کے ہر فرد کی رگ و پئے میں سرایت کر جائے۔ اور صرف سرایت ہی نہ کرے بلکہ اس کا اظہار بھی ہو —— میٹھے لفظوں میں —— پیارے بولوں میں —— وہ چاہتے تھے کہ دنیا کا ہر فرد یک زبان ہو کر امل کے متعلق باتیں کرنے لگے، اس کی تعریف کرے، اور بھوپتی سُنتے رہیں سنتے رہیں اور سنتے سنتے سو جائیں —— ایسی نیند جس کے لئے بیدار ہونا مقدر نہ ہو! لیکن یہاں ان کی اپنی بیوی ان کے اس غرور پہ زہر میں بُجھے ہوئے نشتر چلا رہی تھی۔

لیکن ان نشتروں سے وہ خاموش کیوں ہو جائیں۔ وہ تو اپنے بھائی کا تذکرہ ضرور کریں گے۔ دوسرا خواہ اس کا سننا گوارا کرے یا نہ کرے۔ اس لئے وہ بولے:۔

"سو گئی ہو کیا؟ —— میں نے کہا۔ لڑکی دیکھنے میں تو بڑی اچھی ہے؟"

"اچھا ہو گیا۔" چارو نے لرزتی ہوئی سی آواز میں کہہ دیا۔ اور بھوپتی نے اس کی سنی ان سُنی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"امل کتنا اچھا لڑکا ہے۔ مجھے کتنا پیار کرتا ہے وہ —— اور اب بے چارا اکیلا چلا گیا —— جاتے وقت —— جاتے وقت وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ چارو! —— اس کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہہ رہی تھیں —— ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے منہ پر آنکھیں نہیں آنسوؤں کے دو اتھاہ ساگر ہیں اور وہ مجھ سے لپٹا پڑتا تھا —— کتنا پیار کرتا ہے وہ مجھے —— کاش میں بھی ....."

لیکن دفعتاً بھوپتی بابو کی نظریں چارو پر پڑیں۔ وہ اُٹھی ـــ جس طرح مُردہ اپنی قبر سے نکل بھاگے ـــ اور باہر چل دی ـــ خاموش، بے جان بے حس و حرکت!

بھوپتی بابو حیران رہ گئے۔ کیا چارو اتنی بدل چکی تھی، کہ وہ امل کا ذکر بھی نہیں سُننا چاہتی تھی۔

دروازہ آہستہ سے پھر کُھلا۔ اور چارو کمرے سے باہر نکل گئی۔

چند لمحوں کے بعد بھوپتی بابو کے حیرت زدہ حواس نے سسکیوں اور دبی دبی ہچکیوں کو پہچان لیا، وہ لپک کر اُٹھے۔ اور برآمدے میں آ گئے۔

بھیگی ہوئی رات کی اندھا کر دینے والی تاریکیاں چاروں طرف مسلط تھیں۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بھوپتی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ لیکن اُنہیں، کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ اور آخر وہ سسکیوں کی سمت چل دئے ـــ اور ـــ دفعتاً اُن کے پاؤں ایک گداز جسم سے ٹکرائے۔ اُنہوں نے جھک کر ٹٹولا ـــ یہ چارو تھی۔ برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر پیٹ کے بل لیٹی اپنی کائنات کو آہوں میں تحلیل کر رہی تھی۔

چارو کو اس حالت میں دیکھ کر بھوپتی بابو کی آنکھوں پر سے گویا پردے ہٹا دئے گئے۔ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ ان کے برآمدے کے فرش پر ان کی بیوی نہیں، بلکہ پاک محبت کی ایک جیتی جاگتی تصویر لیٹی ہوئی ہے۔ جو اپنی محبت کے بلند آسمانی استھان پر اپنے آنسو بھینٹ کر رہی ہے۔

۱۴

بھوپتی بابو نے اخبار بند کرتے ہی ارادہ کر لیا تھا، کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ چارو کی صحبت میں بسر کریں گے۔ اور اسے خوش وخرم بنا کر اس کی مسرت میں اپنے لئے قلبی اور روحانی خوشی حاصل کریں گے۔ خیال بالکل ٹھیک تھا۔ اور یہ حقیقت کہ گھر کی خوشی باہر کی ہزاروں مسرتوں سے زیادہ دلکش اور سرور انگیز ہوتی ہے۔ ان کے اس ارادے کی تائید کر رہی تھی۔ اس ارادے پر اس رات کے واقعے نے اور بھی جلا کی۔ بھوپتی بابو کو یقین ہو گیا، کہ ان کی زندگی کا ساتھی ان کے دل و دماغ کے شانے سے شانہ ملائے ہوئے ہے۔ اور ان کے معصوم لیکن رنجیدہ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ ہے۔ اس یقین نے بھوپتی کے دماغ کو ایک ایسا پروگرام بنانے پر منعطف کر دیا۔ جو گو بظاہر معمولی اور بہت ہی عام تھا۔ تاہم بھوپتی کے لئے اپنے اندر ایک ایسی دلکشی رکھتا تھا جو نظر نہ آنے والی چیز رکھتی ہے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ صبح وشام چارو ہی کے پاس رہیں گے۔ کھانا کھانے کے بعد تاش وغیرہ سے جی بہلایا کریں گے۔ اس کے بعد شام کے وقت دونوں سیر کے لئے جایا کرینگے ہنسنا۔ بولنا، سرور انگیز قہقہے اور مسرت بار مسکراہٹیں، بےساختہ ادائیں اور پرلطف لطیفے ان کے اس غم کو بہت ہلکا کر دیں گے۔ اور وہ بھی زندگی کے اس پہلو سے آشنا ہوں گے۔ جسے جنت کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جسے جاننے والے میاں بیوی کی محبت کے پاکیزہ نام سے یاد کرتے ہیں۔

لیکن جب پروگرام کو مرتب کرنے میں ان کے دماغ نے چند منٹ ہی صرف کئے تھے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ایسی دقت رونما ہو گئی۔ جو ناقابل عبور تھی۔ بھوپتی بابو نے اپنی عمر عزیز کا ایک معتد بہ حصہ ـــــ یعنی پورے بارہ سال

—— اخبار میں جان کھپانے میں صرف کیۓ تھے۔ ان بارہ برس میں انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا، کہ شام کے وقت پرندے ایک دوسرے کے شانہ سے شانہ ملائے، مسرت کے نعرے اُڑاتے ایک ہی سمت کو اُڑتے ہوئے کہاں جاتے ہیں۔ اور وہ کون سی مقناطیسی قوت ہے جو اُنہیں بیرونی دنیا کی طرب زا آزادیوں اور وسیع و عریض مسرتوں سے مُنہ موڑ کر پتوں کی گنجان تنہائیوں میں مقید ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ کہ اپنے گھر سے باہر جا کر چاندی اور سونے میں کھیلنے والے آدمی کو کیوں غریب الوطن اور پردیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ اور کیوں اسے قابلِ رحم اور مجبور تصور کیا جاتا ہے۔ انہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر مٹی کے پیالے میں گھُلی ہوئی پتلی دال کھا لیتے ہیں تو ان کی مسرت اس بدنصیب کی قلبی اور روحانی الجھنوں کا مُنہ کس بُری طرح سے چڑاتی ہے۔ جو اپنے گھر سے دور اجنبی لوگوں کے درمیان بیٹھ کر پُر تکلف دسترخوان پر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ لیکن آج زمانے کی پے بہ پے ٹھوکروں نے انہیں ان سب حقائق سے مطلع کر دیا تھا اور وہ بھی اس لامحدود مسرت کو حاصل کرنے کیلئے کمر باندھ رہے تھے۔

لیکن جب وہ مسرت قریب تر آ گئی۔ تو بھوپتی بابو گھبرا سے گئے۔ ان کے سب پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ چاروسے ایک بات کرنے کے بعد سوچنے لگتے کہ اب کیا کہیں۔ اور کس موضوع پر گفتگو کریں۔ جب نیّے میں بتی بڑھتی تو بھوپتی ایک آزاد پرندے کی طرح دل ہی دل میں گنگناتے گھر کی طرف چل دیتے۔ راستہ بھر سوچتے رہتے۔ یہ کہوں گا، وہ کہوں گا، اس طرح گدگدی کروں گا، وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو جائے گی اور اس کے گندھے ہوئے میدے

کی طرح سفید رنگ میں مسرت کی شہابی جوانیاں مل جائیں گی۔ وہ روٹھے گی۔ بھوپتی اسے منائیں گے۔ وہ مان جائے گی۔ اور بھوپتی اسے روٹھ جانے پر مجبور کردیں گے۔ ایسی باتیں کہیں گے کہ وہ ناراض ہو جائے گی۔ اور پھر ایسی باتیں کہینگے کہ اس کا غصّے سے تمتمایا ہوا چہرہ بے اختیار ہنسی کی بے پناہ لہروں میں آکر پھول کی طرح کھل جائے گا لیکن یہ سب کچھ سوچ لینے اور اپنے سوچے ہوئے پروگرام پر عمل کر لینے کی پختہ سوگندوں کے باوجود بھوپتی بابو جب دہلیز پر قدم رکھتے تو ان کا دل جیسے گھبرا سا جاتا۔ وہ سوچنے لگتے کہ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں، اور لوگ کہتے ہیں کہ بوڑھی گھوڑی کو لال لگام بڑی معلوم ہوتی ہے۔ یہ احساس ایک تیز نشتر کی طرح خود بخود اُن کے جگر کے آخری گوشوں تک اُترتا چلا جاتا وہ اس زہریلے خیال سے بچنے کی ہرچند کوشش کرتے ——— وہ اُن آتشیں نشتروں کو اپنے جگر سے دور رکھنے کے لئے لاکھ سر پٹختے۔ لیکن یہ اُلجھنیں خود بخود انہیں اپنے اندر جذب کر لیتیں۔ یہ نشتر اُن کی ہر کوشش کا مُنہ چڑاتے ہوئے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اُن کے سینے میں گڑتے چلے جاتے۔ وہ اسی حیرت میں پیچ وتاب کھاتے رہ جاتے تھے۔ اور جب، چارو کا متفکر چہرہ ان کے سامنے آتا، وہ صرف اتنا کہتے :۔

"چارو اچھی تو رہیں تم ؟"

وہ مری ہوئی آواز میں ہاں کہہ دیتی، یا صرف سر کے اشارے سے جواب دے دیتی۔ بھوپتی اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتے۔ وہ کوشش کرتے کہ کچھ اور کہیں ہنسانے کے لئے کوئی لطیفہ سنائیں۔ لیکن ایک لفظ اُن کی زبان سے نہ نکلتا۔ ایک خیال بھی ان کے شعور میں نہ آتا۔ وہ دم بخود آئینے کی طرح حیران وششدر اس کی طرف تکتے رہتے۔ اور پھر اپنی بے بسی پر خود ہی شرمندہ ہو کر کہیں

ادھر اُدھر ٹہل جاتے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ چارو کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی روحانی مایوسی، اس کے جوان چہرہ پر کھیلتا ہوا بڑھاپا، اور اس کے پھول کی پتیوں ایسے شاداب ہونٹوں پر قابض اضمحلال کی روح فرسا زردیاں ان کی زندگی کو دو نیم کئے دیتی تھیں۔ ان کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال پیدا ہوتا کہ وہ اوروں کے لئے سب کچھ کر گذرے لیکن اپنی بیوی کے لئے ان سے کچھ نہ ہو سکا۔ اس لئے کبھی کبھی وہ اپنی مایوسیوں کے خلاف شدید ترین جنگ کرنے کے بعد چارو سے کہتے:۔

"آؤ چارو ۔۔۔ تاش کھیلیں!"

اور چونکہ چارو خود بے کاری کے بوجھ تلے دبی ہوتی۔ اس لئے کہہ دیتی۔

"اچھا!"

دونوں تاش کھیلنے لگتے۔ لیکن چارو کے طرزِ عمل سے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ اس کھیل میں قطعی طور پر کوئی دلچسپی نہیں لے رہی۔ اور نہ ہی لینا چاہتی ہے۔ وہ ہر دفعہ ہارتی، کھیل کی گرما گرمی اور ایک دوسرے کو ہرا دینے کی کوشش کرنے کی تیزیاں مفقود ہوتیں۔ اس لئے بھوپتی اس کھیل سے بھی الجھ جاتے۔ اور پتے پھینک کر اٹھ جاتے۔

ان پے بہ پے ناکامیوں نے بھوپتی کو یقین دلا دیا۔ کہ وہ چارو کو مشغول بنا کر اس کے رنج و غم کو اس کے دل سے نہ ہٹا سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے بہت دنوں کے غور و خوض کے بعد ایک دن چارو سے پوچھا۔

"چارو! تم کہو تو مندا کنی کو بلا بھیجیں، تم اکیلے میں بہت پریشان ہو رہی ہو۔"

مندا کنی کا نام سن کر چارو کی رگ رگ چونک اٹھی۔ وہ یکلخت بولی:۔

"مندا کنی ـــــ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کب ہوں اکیلی؟"

بھو پتی ہنسے ـــــ دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ ایک طرف انہیں یہ خوشی تھی، کہ اُن کی بیوی کسی گناہ کے احساس کو بھی اپنے مکان میں جگہ دینا نہیں چاہتی اور دوسرے یہ کہ کم از کم وہ اپنی بیوی کے لئے کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں۔ اور ان کی بیوی اس بات کو محسوس کرتی ہے۔

لیکن چارو کے دل کی حالت اس کے بہت مختلف تھی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا، کہ آسمان پر تاریک بادل گھر آئے ہیں۔ اور ان بادلوں کے گوشوں میں سمٹی ہوئی آشیاں سوز بجلیوں نے اس کے رہے سہے سرمایہ کو تاکا ہے۔ اسے یکدم اس خیال نے آدبایا، کہ بھوپتی اس سے کسی چیز کی امید لے کر اس کے پاس آتے ہیں لیکن مایوس لوٹ جاتے ہیں۔ وہ دیکھ رہی تھی، کہ بھوپتی نے ساری دنیا سے قطع تعلق کرکے اسی کو اپنی عزیز زندگی کا مرکز قرار دیا ہے۔ اور اسی کی معیت میں اپنے دن کا چین اور راتوں کا سکھ ڈھونڈ رہے ہیں۔ لیکن جس چیز کی انہیں تلاش ہے اور جس امید کو لے کر وہ چارو کے پاس آتے ہیں۔ وہ چیز چارو انہیں نہیں دے سکتی ـــــ چارو کی دُکان اس جنس گرانمایہ سے خالی ہے۔ اور ظاہر تھا کہ اگر چارو کی دُکان اس سے ہمیشہ ہی خالی رہی تو بھوپتی کو مجبور ہو کر کسی اور دُکان کا رُخ کرنا پڑے گا۔ اس خیال نے چارو کے احساسات کو گویا گرم سلاخوں سے چھیڑ کر بیدار کر دیا۔ وہ اُن کی بےکاری اور آرام طلبی کی عادت کو بھی متوحش نظروں سے دیکھنے لگی ـــــ

اور ـــــ ایک اور واقعہ یہ تھا، کہ چارو بھوپتی کے لئے کبھی بھی ایک "ضروری چیز" نہ بن سکی تھی۔ بھوپتی ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے کر لینے کے عادی تھے۔ اور اپنی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر لینے کی عادت انہیں بچپن سے تھی۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے چارو کو ان کی خدمت کرنے کے مواقع بہت ہی کم ملے تھے۔ اس لئے آج

جبکہ بھوبتی نے اپنی زندگی کا سارے کا سارا بوجھ چاردو کے ہی کندھوں پر ڈال دینے کی کوشش کی، تو چاردو اس بوجھ کو سنبھال نہ سکی۔ اگر بھوبتی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے، تو ممکن تھا، کہ چاردو اُن کا ساتھ دیتی۔ لیکن وہ اس تیزی سے بھاگے کہ چاردو اُن کے ساتھ دوڑتے دوڑتے ہانپ گئی۔ اور آخر تھک کر بیٹھ گئی۔۔۔۔ بھوبتی کے اس سوال کا جواب پانچ سات دنوں کے بعد ملا۔۔۔۔ تھکی ہوئی چاردو نے اپنی بے چارگی کا دردناک اعتراف کر لیا۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا" وہ بولی "مندا کنی کو بلوا لیجئے۔۔۔۔ میں آپ کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی!"۔۔۔۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس کی ساری کائنات آنسوؤں میں تحلیل ہو کر اس کے ہونٹوں پر لرز رہی ہے۔

لیکن بھوبتی نے عورت کے دل کی اس خوفناک شکست کو اپنے احساسات کی عینک سے دیکھا اور شرمندہ سے ہو گئے۔۔۔۔ انہوں نے سوچا کہ وہ انتہا درجے کے خشک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اور ان کی قسمت کہ وہ اپنی بیوی کو چند لمحوں کے لئے بھی خوش نہیں رکھ سکتے!

اس خیال نے انہیں سخت تکلیف پہنچائی۔ لیکن انہوں نے مصنوعی ہنسی ہنس کر کہا۔

"میری دیکھ بھال کرنے کے لئے تم بہت ہو۔۔۔۔ کسی اور کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے!"

اور چاردو نے مجرم نگاہوں سے بھوبتی بابو کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی، کہ ان الفاظ میں صداقت کتنی ہے! اور وہ کس نتیجے پر پہنچی کون جانے؟

لیکن بھوبتی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے، کہ ان کی زبان چاردو کے دُکھ درد کا

مداوا کرنے میں قطعی طور پر ناکام ہے۔ اور اس کا مداوا ہونا ضروری تھا۔ وہ سوچتے رہے۔ اور آخر ایک دن گویا انہیں الہام ہو گیا۔ انہوں نے سوچا۔ چارو ادب کی شوقین اور کتابوں کی رسیا ہے۔ اس لئے اسے اس راہ پر لگانا چاہئے۔

اس خیال کے آتے ہی ان کا تصور ایک بے پناہ قوت کے ساتھ اُبھرا اور ان کے احباب نے یکدم یہ محسوس کیا کہ بھوپتی کتابوں کے کیڑے بن گئے ہیں ٹینی سن، بائرن اور بنکم بابو کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہنے لگیں۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ عام گفتگو میں بھی ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جایا کرتے تھے۔ جو "صحافیاتی" ہونے کے باوجود ادبی ہوا کرتے تھے۔

بھوپتی بابو کتابیں پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا کرتے کہ ان کے مطالعہ میں آنے والی کتابوں کا کون سا حصہ چارو کے لئے دل چسپ رہے گا۔ لیکن اس کام میں بھی انہیں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ چارو کے مذاقِ ادب سے ناآشنائے محض تھے۔ اس لئے وہ نہیں جانتے تھے کہ چارو کیا پسند کرے گی۔ اور کس قسم کی چیز اُسے ان کی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو گی۔ وہ دیر تک اسی کشمکش و پیچ میں پڑے رہے۔ اور آخر ایک دن بڑی ہمت کر کے انہوں نے اٹل فیصلہ کر لیا کہ وہ آج چارو کو ٹینی سن کا ترجمہ کر کے سنائیں گے۔

چنانچہ شام ہوتے ہی گھر لوٹے۔ کمرے میں لیمپ جلایا۔ اور بن سنور کر چارو کا انتظار کرنے لگے۔ چارو آئی۔ اور آتے ہی پلنگ پر لیٹی نہیں، گر پڑی۔ بھوپتی نے چاہا کہ اسے مخاطب کریں۔ لیکن جب بات کرنے کے لئے ہونٹ ہلانے کی کوشش کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ زبان پر کانٹے پڑ گئے ہیں۔ اور بات منہ سے نہیں نکلتی۔ لیکن ان کا اٹل ارادہ انہیں اس جذبے کی تکمیل کرنے پر مجبور

کر رہا تھا۔ اور آخر انہوں نے شرمائے ہوئے لہجے میں آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"تم کہو تو ——— تمہیں ٹینی سن کا ترجمہ کر کے سناؤں ——— بڑی پُر لطف نظم ہے"

چارو گویا اس دنیا میں تھی ہی نہیں۔ بھوپتی کی آواز سُن کر جیسے چونک اُٹھی۔ اور بند ہوتی سی آواز میں بولی۔

"کیا —— کیا کہا آپ نے؟"

"میں نے کہا —— تمہیں ٹینی سن کی ایک نظم کا ترجمہ سُناؤں"

"سُنا دیجئے!"

اور بھوپتی کو گویا زمین و آسمان کو زیر و زبر کر دینے کی اجازت مل گئی۔ انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری تھوک سے تالو تر کیا۔ کتاب کے صفحات کو ادھر ادھر پلٹا۔ اور بزعم خود تیار ہو کر بیٹھ گئے۔

"لو سُنو —— !" انہوں نے پھر کہا۔

"سُنائیے —— میں سُن رہی ہوں ——" لیکن چارو کی آنکھیں بند تھیں۔ اور اس کا چہرہ کہے دیتا تھا، کہ اسے اس گفتگو میں نام کو بھی دلچسپی نہیں۔

بھوپتی اس کی اس بے تعلقی کو محسوس کر رہے تھے لیکن انہوں نے طبیعت پر جبر کیا۔ ٹینی سن کے الفاظ کو ہونٹوں ہی ہونٹوں میں دہرایا۔ اور اپنے ذہن کی تمام قوتیں خرچ کر کے ترجمہ کرنے کی کوشش کی۔

لیکن ایک تو نظم ٹینی سن کی۔ اس پر اخبار نویس بھوپتی ترجمہ کرنے بیٹھے۔ اور ترجمہ بھی صرف قلم برداشتہ ہی نہیں بلکہ مُنہ زبانی، ٹینی سن غریب کا جو حشر ہوتا

کم تھا۔ اور ہوا — چارو کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ بھوپتی — یعنی — اور مطلب یہ ہے کہ — سمجھ میں آیا یا نہیں۔ — کے پیچ در پیچ چکروں میں اس رفیع الشان نظم کو کہاں سے کہاں لے گئے۔ صرف چارو ہی نہیں۔ بلکہ بھوپتی خود محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ ترجمہ نہ صرف غیر دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ اور چارو کے لئے یقیناً اکتا دینے والا ہے۔ وہ انگریزی لفظوں کا صحیح مفہوم بنگالی زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ نظم کے کچھ ہی بند ترجمہ ہوئے تھے کہ اس احساس نے بھوپتی کو تھکا دیا۔ اور نظم دھری کی دھری رہ گئی — نہ اس کا ترجمہ ہوا اور نہ ہی چارو نے سنا — بھوپتی کا یہ حربہ بھی کارگر نہیں ہوا تھا۔ اور آخر وہ اس کوشش ہی سے ہاتھ اُٹھانے پر مجبور ہو گئے — علم و ادب کا شوق بگولے کی طرح آیا۔ اور آندھی کی طرح رخصت ہو گیا۔

---

(۱۵)

بھوپتی کے دل کی کیفیت جو بھی سوچتی ہی۔ چارو کی پریشانی ان سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ امل کے چلے جانے نے اس کے دل پر اتنی زبردست چوٹ لگائی تھی، کہ وہ حواس باختہ سی ہو گئی تھی۔ جب چوٹ لگتی ہے۔ تو جسم کی ساری رگیں اینٹھ جاتی ہیں۔ اسی طرح جب چارو کی روح پر امل کی جدائی نے ہتھوڑے چلائے تو اس کے دل و دماغ کی رگیں بے حس ہو کر رہ گئیں۔ اور پہلے چند دن کسی قسم کا احساس اُسے نہیں ہوا۔ لیکن جوں جوں دن گذرتے گئے چارو کو اپنے گھر میں ایک

خلا کا احساس ہونے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا، کہ امل اپنے ساتھ اس کی تمام خوشیوں اور ساری مسرتوں کو لے گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ گھر کی روزانہ زندگی میں کچھ کمی سی معلوم ہونے لگی۔ وہ اب بھی جب چولھے چوکے میں لگتی تو اس کے دل میں ایک تیر سا لگتا۔ وہ سوچتی کہ جو کچھ وہ پکا رہی ہے۔ اور اس کی عرق ریزی جس چیز میں متشکل ہو رہی ہے۔ ان میں امل کا حصہ نہیں۔ اور یہ خیال اس کے جگر پر خنجر چلا دیتا۔ وہ پان بنانے بیٹھتی تو غیر شعوری طور پر موجودہ ضرورت سے کہیں زیادہ بنا جاتی۔ اور پھر اُسے محسوس ہوتا کہ امل نہیں ہے اور یہ پان ضائع جا رہے ہیں۔

یہ زندگی چارو کے لیئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا کی سب آوازیں ایک لا محدود خموشی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی ہیں دنیا کی ساری موسیقی ایک بھیانک شور میں تبدیل ہوئی جاتی ہے۔ دُنیا کے سارے حُسن پر زنگ کی موٹی موٹی تہیں چڑھتی جا رہی ہیں۔ اور دنیا کی ہر چیز ہر سانس لینے والی، اور زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کرنے والی قوت موت کی تاریک بے حسی میں غرق ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ وہ اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتی مکان کی چار دیواری کا دیکھتی۔ کمروں کے دروازے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں پر کے شیشے ویسے ہی صاف ستھرے تھے۔ پلنگ اور بستر اسی جگہ موجود تھے۔ ظاہرا طور پر چارو کی دنیا میں کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا تھا، جسے روح فرسا کہا جا سکے۔ لیکن اس باہر کے اطمینان کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی تھیں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دروازے کھلتے نہیں بلکہ اس کا مُنہ چڑاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا، کہ یہ بلند دیواریں نیلے آسمان کی طرف ہاتھ نہیں اُٹھا رہیں بلکہ اس کی روحانی پستیوں پر ہنس رہی ہیں۔ اس کی کھڑکیوں پر کے صاف ستھرے

سشیشے اس کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے کہرے کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ اور اس کا بستر، اس کا پلنگ، اس کا سنگھار سب اس پر لعنت کر رہا ہے۔ وہ ان سب چیزوں کو دیکھتی اور حیران ہوتی، وہ اکثر سوچا کرتی کہ اس کی زندگی ان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ وہ اپنے پتی کی دھرم پتنی ہے اور اس کا دھرم ہے کہ اُسے دل و دماغ کی تمام قوتوں کو بھوشن بابو کے قدموں پر نچھاور کر دے۔ اس کا ایمان اسی چیز کا متقاضی ہے کہ اس کے دل کی ساری دھڑکنیں اور اس کی آنکھوں کے سارے خواب صرف اور صرف بھوشن کے لئے ہوں لیکن ایسا نہیں تھا ــــ وہ حیران تھی کہ ایسا کیوں نہیں ہے؟

لیکن اس حیرت کے باوجود اُسے اس غم کی ماہیت اور اس الم کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اس کا دماغ گویا کسی گہری تاریکی میں بھٹکتا پھرتا رہا۔ اور وہ اس کی وجہ معلوم نہ کر سکی۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر امل کی پجارن بنتی جا رہی ہے۔ امل اس کے دل و دماغ پر ایک پُر شوکت دیوتا کی طرح مسلط ہوا جاتا ہے۔

اور جب اُسے اپنے دل کی اس کیفیت کا احساس ہوا تو وہ جیسے چونک اُٹھی اس نے اس کشش کی مخالفت کرنے میں اپنی ساری قوتیں خرچ کر دیں۔ وہ اپنے دل کی اس عجیب بے چینی اور بے راہ روی کے خلاف لڑتی رہی ــــ لڑتی رہی۔ ــــ اور ــــ آخر وہ ہار گئی۔ امل کی کشش کے سامنے اس کی ذہنی اور روحی قوتیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ گھر کے دھندوں میں اُلجھتی، تو امل کی یاد حسبِ سابق اس کی روحانی گہرائیوں میں خلجان پیدا کر دیتی۔ لیکن اب وہ پہلے کی طرح اس یاد کے خلاف جنگ کرنے سے باز رہتی ــــ وہ اس یاد کو اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز سمجھ کر دل کے تاریک ترین گوشوں میں چھپائے رکھتی گویا

یہ یاد دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھی جائے گی۔ گویا یہ ایک ایسا قیمتی خزانہ ہے جو دنیا والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنا چاہئے۔ اور اس نے اس خزانے کو دنیا والوں کی ہر نظر سے محفوظ رکھا۔ کوئی اس یاد کی تڑپ کو محسوس نہ کر سکا یہاں تک کہ خود اس کا پتی بھی اس کی اس دولت کو دیکھنے سے قاصر تھا۔

ذہنیت کے اس انتشار نے چارو کی انفرادیت کو دو حصّوں میں منقسم کر دیا۔ اس کی روح امل کے چرنوں کے لئے وقف ہو گئی۔ اور اس کا جسم بھوپتی بابو کے لئے۔ وہ دن رات بھوپتی کی سیوا کرتی۔ اپنے جسم کے ہر ذرے کو اس پوتر کام میں سمو رہی تھی۔ بھوپتی کو بھی کبھی کبھار یہ خیال پیدا ہو جاتا، کہ وہ چارو کے رنج و غم کو کم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ بڑے شوق و ذوق اور بڑے انہاک کے ساتھ چارو کو خوش رکھنے میں مشغول نظر آنے لگے۔ وہ پہلے دنیا کے لئے اخبار نویس تھے۔ سیاسی مسائل پر بحث کرنا اور بیرونی دنیا کے جھگڑوں میں مصروف رہنا اُن کا من بھاتا شغل تھا۔ لیکن اب انہیں گھریلو سیاست سے دو چار ہونا پڑا تھا۔ اور انہیں پورا یقین ہو گیا تھا کہ یہ میدان اُن کے پہلے میدان سے کہیں وسیع اور ناقابلِ عبور ہے۔ لیکن ان کی شب و روز کی کوششیں ایک راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ انہیں چارو کے دل میں اُتر جانے کے لئے جرنیلی سڑک نہیں بلکہ ایک پگڈنڈی مل گئی۔ اور وہ مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گئے۔ وہ بگٹٹ بھاگ نکلے اس پگڈنڈی پر۔ اور سمجھنے لگے کہ وہ چارو کے دل پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

وہ پگڈنڈی ادب تھا —— بھوپتی نے اخبار نویسی کو یک قلم ترک کر دیا۔ اور ادیب بننے کی کوشش میں سرتاپا منہمک ہو گئے۔ انہوں نے بڑی کوشش اور ہزاروں دفعہ کی کاٹ چھانٹ کے بعد ایک مضمون لکھا۔ اور چارو کے کمرے

کی طرف چل دئے مضمون صاف کرتے وقت انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا، کہ جاتے ہی چارو کو مضمون سنائیں گے۔ اور اُسے ببانگ دہل بتا دیں گے کہ وہ بھی میدان ادب کے شہسوار ہیں۔ اس طرح چارو اور ان کے درمیان ہم مذاقی کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہو جائے گا۔ اور وہ خلیج جو امل کے چلے جانے سے ان دونوں کے درمیان پیدا ہو گئی ہے۔ بڑی آسانی سے پٹ جائے گی۔ لیکن جب وہ مضمون جیب میں ڈالے چارو کے کمرے کے قریب پہنچے۔ تو ان کا دل دھڑکنے لگا۔ ان کے حلق میں گویا کانٹے پڑ گئے۔ ان کے گھٹنے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ اور انہیں ایسا محسوس ہونے لگا، کہ وہ چارو کو مضمون سنانے کے لئے نہیں جا رہے۔ بلکہ اس کی کوئی عزیز ترین شے چرانے کے لئے جا رہے ہیں۔

اور جب وہ چارو کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک عجیب بھیانک منظر دیکھا۔ چارو اپنے بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں گویا آنسوؤں کے سیلاب میں گھری ہوئی تھیں۔ اور وہ آپ ہی آپ بڑبڑا رہی تھی۔

"امل! ـــــ تم اس طرح مجھ سے روٹھ گئے ـــــ جاتی دفعہ تم نے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی ـــــ ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا مجھ سے!"

اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ گویا کسی کا جواب سُن رہی ہے۔ چند لمحوں کے بعد بولی،

"لیکن میں نے تمہیں یہ تو نہیں کہا تھا۔ میں نے کب ایسا کہا تھا امل تم کیوں روٹھ گئے ـــــ آؤ، دیکھو میں نے ایک مضمون لکھ رکھا ہے ـــــ بڑا اچھا مضمون ہے ـــــ آؤ تمہیں سُناؤں ـــــ تمہیں بہت پسند آئے گا یہ مضمون!"

چند سے توقف کے بعد پھر بولی۔

"اچھا پہلے اپنا مضمون سُنا لو — ادھر آ کر بیٹھو میرے پاس! — میرے پاس بیٹھو امل! — دیکھو منت کرتی ہوں۔"

اور پھر اس نے پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے داہنی طرف دیکھا۔ اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں آؤ گے امل! — نہیں آؤ گے — نہیں آؤ گے تم؟"

اور وہ چیخیں مار کر رونے لگی۔

چارو کی اس خود فراموشی اور امل کی یاد کی اس شدت نے بھوپتی کے دل پر کچوکے تو لگائے۔ لیکن اپنی چارو کو وہ اس حالت میں کب دیکھ سکتے تھے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے سوتے سمندر میں جذب ہو جاتے ہیں اور اپنی انفرادیت مٹا دیتے ہیں۔ بعینہٖ شکوک کی وہ ہلکی سی کسک جو چارو کی اس بے اعتدالی نے بھوپتی کے دل میں پیدا کر دی تھی۔ اس عجیب و غریب حیرتناک درد میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ وہ لپک کر آگے بڑھے اور بولے۔

"چارو — !"

چارو نے حیران نظروں سے بھوپتی کو دیکھا — شرمائی اور آنکھیں جھکا کر آنسو پونچھنے لگی

"کیا ہوا — کیوں پریشان ہو؟"

چارو خاموشی سے آنکھیں ملتی رہی۔

"بتاؤ تو — امل تمہارا آ جائے گا — دیکھو آج اس کا خط لندن سے آیا ہے — بہت اچھا ہے — اور دیکھو۔ اس نے تمہیں پرنام بھی لکھا ہے"

چارو نے ملجائی ہوئی نظروں سے بھوپتی کی طرف دیکھا۔ اور بھوپتی نے

جیب سے خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ لیکن چارو ایسی حالت میں امل کا خط نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔

لیکن دوسرے دن چارو نے خود ہی وہ خط مانگ لیا۔ اس کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ امل نے ضرور اس کے متعلق کچھ لکھا ہوگا لیکن ایک ایک سطر کو ہزار بار پڑھنے کے باوجود اُسے وہ الفاظ نہیں ملے جن کی تلاش میں اس کی آنکھیں چکرا رہی تھیں۔ خط میں صرف یہی تھا "چارو بھابی کو پرنام" اور بس۔ کیا امل کے پاس اس سے زیادہ لکھنے کے لئے الفاظ نہ تھے: —— اس سوال کا جواب اس کے ذہن نے نہیں دیا۔ بلکہ دل کی ایک ہلکی سی تڑپ سینے کی پہنائیوں میں اُٹھی۔ اور ہونٹوں پہ ایک آہ بن کر کانپ گئی —— شاید یہی جواب تھا۔

لیکن چارو کی اس غیر معتدل محبت نے بھوپتی کے دل میں ایک نئے طوفان کو بے زنجیر کر دیا۔ وہ سوچ رہے تھے —— چارو اور امل کی محبت بہن اور بھائی کی ہی محبت ہے؟ —— یہ والہانہ جوش اور یہ جنون کی حدوں کو چھوتا ہوا جذبہ —— کیا اس جذبے کو عشق کے لفظ سے یاد نہیں کیا جاتا؟ اور یہ سوال گویا ایک انگارا تھا، جس نے انہیں تڑپا دیا۔ ان کے ہاتھ غیر شعوری طور پر بوجھل جیب کی طرف لپکے۔ اور مضمون باہر آ گیا۔ وہ ایک دفعہ پھر چارو کے دل کو جیتنے کے لئے چارو کے کمرے کی طرف چلے۔

چارو کمرے میں بیٹھی تھی —— اپنی دھن میں مست اور اپنے خیال میں مگن: بھوپتی کھنکار کر کمرے میں داخل ہوئے۔ اور مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ چارو کی طرف دیکھ کر بولے۔

"چارو! —— میرے ایک دوست ہیں —— ایک سنک سوار ہوئی ہے

اُنہیں ـــــ گویا مضمون نویسی کا خبط ہو گیا ہے۔ آج اس نے مجھے یہ مضمون دیا تھا ـــــ اور کہا تھا ٹھیک کر دو۔ لیکن تم جانو میں اس منزل سے کوسوں دُور ہوں ـــــ اسے تمہیں ذرا دیکھ دو۔ تمہیں تو کافی مشق ہے۔"

چارو نے ایک مردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بھوپتی کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا کر بولی۔

"میں کیا جانوں مضمون اور مضمون نویسی؟"

اور کھڑکی کی طرف گھوم گئی۔

بھوپتی کو بات کا موضوع مل گیا۔ انہوں نے ہنس کر کہا

"پرماتما کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ بنگالی ادب میں تم نے ایک نئی راہ پیدا کی ہے۔ صرف میں ہی نہیں، بنگالی ادب کے بڑے بڑے نقاد اسی رائے سے اتفاق کرتے ہیں ـــــ لیکن تمہاری کسرِ نفسی کی حد ہو گئی ـــــ خیر! جو بھی ہو یہ مضمون تو تمہیں دیکھنا ہو گا ہی۔"

چارو نے خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر مضمون لے لیا۔ وہ جھجکتی ہوئی نظروں سے مضمون کی طرف دیکھا۔ مضمون کا پہلا فقرہ اسے یقین دلائے دیتا تھا، کہ اس مضمون کا لکھنے والا بھوپتی بابو کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

وہ بھوپتی کی طرف گھومی۔ اس کا خیال تھا کہ بھوپتی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں بتا دے گی کہ وہ ان کی چوری بھانپ گئی ہے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ بھوپتی مضمون دینے کے بعد کھسک گئے ہیں۔

اسی روز شام کے وقت بھوپتی نے چارو سے پوچھا۔

"دیکھا تھا ـــــ؟"

"ہاں ـــــ پہلی کوشش ہے یہ آپ کے دوست کی!" چارو نے اداس

ہنسی ہنس کر کہا۔

"ہاں ـــ اور کیا؟"

"کمال ہے یہ تو ـــ خوب لکھا ہے ـــ میں آپ کے اس دوست کی شاگردی قبول کرنا چاہتی ہوں"

بھوپتی کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ آج بہت دنوں کے بعد چارو کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں میں انہیں مسکراہٹ کی چمک نظر آئی تھی۔

بھوپتی سمجھتے تھے کہ یہ راستہ نہایت آسان ہے۔ اور وہ اس پر بڑے زور سے بھاگ نکلے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی مضمون لکھتے۔ اور چارو کو دے آتے۔ وہ اس کی خوب خوب تعریف کرتی ـــ اس طرح چند دنوں کے لئے گھر کی عام فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی نظر آنے لگی۔

لیکن بھوپتی کی نظریں اس ظاہرا اطمینان کی تہ میں لہریں لیتے ہوئے طوفان کو نہ دیکھ سکیں۔ انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ امل کا خط کئی دن سے نہیں آیا اور اس خط کے نہ آنے کی وجہ سے چارو کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ خط نہ آنے کی وجہ سے چارو کے دل میں سے امل کا خیال نکلتا جا رہا ہے

لیکن ایک دن ان کی آنکھوں پر سے یہ پردہ بھی اٹھ گیا ـــ ایک دن چارو ضبط کے باوجود اپنے درد کو چھپا نہ سکی اور بولی۔

"امل کا خط نہیں آیا کئی روز سے!"

بھوپتی امل کا نام چارو کی زبان سے سن کر چونک پڑے۔ لیکن انہوں نے فوراً ہی اپنی پریشانیوں کو ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے پردے میں چھپا لیا اور بولے۔

"ہاں! ـــ لیکن پچھلے خط میں اس نے لکھا تھا کہ وہ پڑھائی میں

بہت مشغول ہے ۔ اس لئے وقت نہیں ملا ہو گا ؟"

چاردو نے چند لمحوں کے لئے اپنی روحانی کشمکش کو چھپائے رکھا لیکن آخر مجبور ہو کر بولی ۔

"تار دے دیا ہوتا اسے ـــــ اس کی خیریت کی خبر تو آجاتی !"

"سو دو سو روپے کی چوٹ ہے ۔ اور آج کل تو تمہیں معلوم ہی ہے ہمارے بھاگوں پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ۔"

"اوئی !" چاردو نے حیرت سے کہا ۔ "سو دو سو ـــــ میں نے سمجھا دس بارہ روپے ہی میں معاملہ ٹل جائے گا ۔

اور اس کے بعد کئی دن گذر گئے ۔ چاردو نے تار دینے کا خیال ظاہر نہیں کیا ۔ بھوپتی سمجھے اُن کا فقرہ چل گیا ہے ۔ چاردو بھول گئی سب کچھ !

لیکن قدرت ان کے ہر زعم اور ہر خیال کا مذاق اُڑانے پر کمربستہ تھی چند دنوں کے بعد بھوپتی کسی کام کو ہاوڑہ اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے ۔ کہ تار والے نے انہیں آواز دی ۔ تار والے کی صورت دیکھ کر بھوپتی کے پران نکل گئے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پوچھا ۔

"کیا بات ہے ؟"

"تار تھا آپ کا ! ـــــ میں گھر جا رہا تھا ۔ اچھا ہوا آپ راستے ہی میں مل گئے ۔"

بھوپتی نے ڈرتے ڈرتے تار لے لیا ۔ گویا وہ تار نہیں ، بلکہ دہکتا ہوا کوئلہ پکڑ رہے ہیں ۔

تار ولایت سے آیا تھا اور جوابی تھا ۔ اس میں لکھا تھا ۔

"میں اچھا ہوں !

امل"

بھوپتی حیران تھے کہ امل کو تار دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ لیکن چند نے غور کرنے کے بعد جب وہ گھر پہنچے اور نوکر سے پوچھا، تو انہیں معلوم ہوا کہ چارو نے اپنے زیور گروی رکھ کر امل بابو کو جوابی تار دیا تھا اور یہ تار اس کا جواب ہے۔

یہ عقدہ کیا کھلا، بھوپتی بابو پر بجلیاں برس پڑیں۔ وہ تیر جو قسمت کے ظالم ہاتھوں نے کئی دن سے تان رکھے تھے۔ ایک دم چھوٹ کر گھٹا باندھے ان کی طرف اُمنڈ پڑے تھے ــــــــ وہ شک جس کو انہوں نے طرح طرح سے دبانے کی کوشش کی تھی، آج سب رکاوٹیں ہٹا کر یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ چارو ــــــــ ان کی اپنی بیوی اور ان کے خوابوں کی دیوی، اپنے خواب ان کے چھوٹے بھائی کے خیال سے بسائے ہوئے ہے۔

وہ یہ ضرب برداشت نہ کر سکے۔ نیم دیوانے سے ہو گئے۔ اور لپک کر چارو کی طرف گئے۔ چارو اس دفعہ کمرے میں نہ تھی۔ بلکہ وہ رسوئی گھر میں بھوپتی بابو کے لئے کچوریاں بنا رہی تھی۔ بھوپتی کا غصہ دیوانگی کا منہ چڑاتا ہر لحہ بڑھ رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں گئے۔ اور آخر رسوئی گھر میں پہنچ گئے ــــــــ چارو کچوریاں بنانے میں مشغول تھی۔

بھوپتی نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا فرشتوں ایسا معصوم چہرہ جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس دفعہ چارو کے چہرے کی معصومیت نے بھوپتی کے غصے کو اور بھی ہوا دی۔ وہ گرج کر بولے

"چارو ــــ!"

چارو نے آنکھیں اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا۔ اس نے بھوپتی کو مسکراتا اور منتیں کرتا ہوا ایک نوجوان خوبصورت آدمی سمجھا ہوا تھا۔ لیکن آج اسے اس ہستی میں غصّے کی آندھیاں بھی نظر آئیں۔

"میں نے کہا —— وہ میرے مضمون کیا ہوئے؟"

"الماری میں رکھے تو ہیں —— لیکن آپ ——"

لیکن اس سے پہلے کہ چارو کچھ کہہ سکے۔ بھوپتی رسوئی سے باہر نکل چکے تھے۔

چند لمحوں کے بعد بھاری قدموں کی چاپ پھر سنائی دی۔ بھوپتی آئے۔ ان کے ہاتھ میں وہ تمام مضمون تھے۔ جو گاہے گاہے انہوں نے چارو کو پڑھنے کے لئے دئے تھے۔

چارو نے حیرت بھری آنکھوں سے بھوپتی کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کیلئے ہونٹ کھولے لیکن جب بھوپتی نے آگے بڑھ کر وہ تمام مضامین چولھے میں جھونک دئے، تو اس کے ہونٹوں پر گویا مُہر لگ گئی —— وہ خاموش ہوگئی —— !

اس واقعہ کے چند دن بعد بھوپتی نے میسور جانے کا ارادہ کرلیا۔ میسور میں ایک نیا اخبار نکلا تھا۔ اور بھوپتی کو اس کی ادارت سنبھالنے کی دعوت آئی تھی۔ دعوت موصول ہوتے ہی انہوں نے میسور جانے کا ارادہ کرلیا —— دوستوں نے سمجھایا، جان پہچان والوں نے منع کیا۔ لیکن بھوپتی کے کان گویا بہرے ہوگئے تھے۔ اُن کا دل گویا مُردہ ہوچکا تھا۔ اور آخر جب جانے کا دن آیا۔ بھوپتی بستر بوریا تیار کرکے تانگے پہ لدوانے لگے تو چارو نے خاموشی کی مُہر

توڑی۔ اور دھیمی مری ہوئی آواز میں کہا۔

"بابو! ——— مجھے نہیں ساتھ لے جایئے گا؟"

"نہیں ——!" بھوپتی نے کہا۔

"مجھے کس کے سہارے چھوڑے جاتے ہو؟ ——— کون ہے میرا؟"

اور بھوپتی نے چارو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہوتا ہے کسی کا ———؟"

"سچ کہتے ہیں بابوجی آپ!" چارو نے کمرے میں جاتے ہوئے کہا ———

"سچ کہا بابوجی! کون کسی کا!"

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ——— اور دور تانگے کے گھونگروؤں

کی آواز سنائی دے رہی تھی ——— بھوپتی چلے گئے تھے۔

لائبریریوں کے لئے منظور شدہ کتابیں!

جو جناب ڈائرکٹر آف پبلک ریلیشنز و سکریٹری پنجاب سٹیٹ سنٹرل لائبریری کمیٹی شملہ نے مطابق اپنے سرکلر نمبر PR(LIB)/51/29379 و نمبر PR(LIB)51/31934 اور نمبر PR(LIB)51/30900 مورخہ ۷ و ۹ و ۱۰ منظور فرمائیں۔

مترجمہ منشی تیرتھ رام فیروزپوری			
		نقلی نواب	۳-۸-۰
فرشتہ انتقام	۳-۸-۰	کہرنی کا پھل	۴-۰-۰
سانپ کی چوری	۳-۸-۰	اسیر بلا	۳-۰-۰
سرفروش	۴-۰-۰	قاتل کی بیٹی	۴-۰-۰
ویران محل	۳-۸-۰	جنگل میں لاش	۳-۸-۰
مقدس جوتا	۳-۰-۰	مجرم	۳-۰-۰
دغا کا پتلا	۳-۰-۰	تہ خانہ کا راز	۳-۸-۰
ڈاکٹر نکوا	۴-۰-۰	آخری تحفہ منشی پریم چند	۲-۱۲-۰
سرائے والی	۳-۸-۰	جیل "	۰-۱۲-۰
خونی شیطان	۴-۸-۰	قاتل "	۰-۱۲-۰
کالی نقاب	۱۰-۸-۰	وفا کی دیوی "	۰-۱۲-۰
[illegible]		ڈاکٹر ٹیگور	۱-۴-۰
			۲-۰-۰

کتاب	مصنف	قیمت
صنعت میں دولت	چندر بھان سہگل پرویز	۵-۰-۰
اگست گڑبڑ	چمن لال آزاد	۵-۰-۰
کاروان حیات	سیتا دیوی چیٹرجی	۲-۰-۰
ادیب	مترجمہ شہزادہ شانتی نرائن	۳-۰-۰
گونج	کیف عرفانی	۱-۸-۰
غریبوں کا بہشت	آتش	۱-۴-۰
پھانسی کی کوٹھڑی	مترجمہ جمنا داس اختر	۳-۱۲-۰
انوکھے چٹکلے	آتش	۰-۶-۰
خونی شہزادی	سیفی سیوہاروی	۰-۶-۰
پھانسی کی رات	ملک موہن آئی	۳-۰-۰
کھوٹ	سیفی سیوہاروی	۰-۶-۰
نرالی کہانیاں	آتش	۰-۶-۰
ٹالسٹائی کی کہانیاں	ٹالسٹائی	۱-۱۲-۰
بیٹے	پرل ایس بک	۳-۰-۰
کملا	بارہ بنگالی ادیب	۲-۰-۰
...ت گاندھی	پنڈت نیرنجن چند	۲-۰-۰
...ی بے لکشمی پنڈت		۱-۸-۰
مہاتما گاندھی		۲-۰-۰

اس واقعہ کے چند دن بعد

میں ایک نیا اخبار نکلا تھا۔ اور بھوپتی کو

آئی تھی۔ دعوت موصول ہوتے ہی انہوں نے

دوستوں نے سمجھایا۔ جان پہچان والوں نے منع کیا

گویا بہرے ہوگئے تھے۔ اُن کا دل گویا مُردہ ہو چکا تھا۔

آیا۔ بھوپتی بستر بوریا تیار کرکے تانگے پر لدوانے لگے تو چاچا

ری۔ دہلی